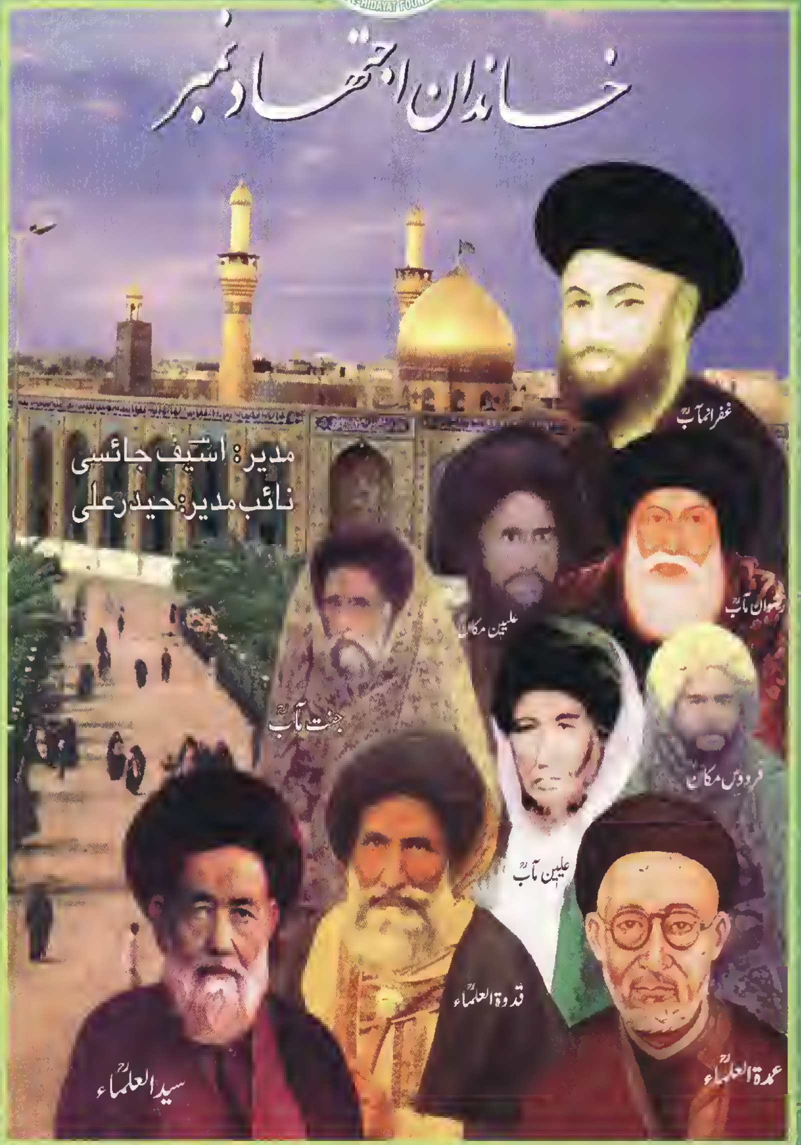

موسسۂ نور ہدایت حسینیۂ غفران مآبؒ لکھنؤ ۳

NOOR-E-HIDAYAT FOUNDATION
Imambara Ghufran Maab, Chowk
LUCKNOW-3 (U.P.) INDIA
Phone : 2252230

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی سید المرسلین و علی آلہ الطیبین الطاہرین المعصومین

بیاد آقائے شریعت مولانا سید کلب عابد نقوی طاب ثراہ

شوال المکرم ۱۴۲۵ھ دسمبر ۲۰۰۴ء

صفوۃ العلماء رحمت مآبؒ کے اٹھارویں دیسے کے موقع پر یادگار مجلہ

خاندان اجتہاد نمبر (شمارہ ۶)

زیر سرپرستی

معین الشریعہ مولانا سید کلب جواد نقوی صاحب قبلہ امام جمعہ لکھنؤ

مدیر مسئول: سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیف جائسی (مدیر ماہنامہ "شعاع عمل" لکھنؤ)

نائب مدیر: حیدر علی مبلغ جامعۂ امامیہ لکھنؤ (نائب مدیر ماہنامہ "شعاع عمل")

منبر علم تھا ان کو جو تجلّی گہہ طور رفعتیں ان کی قدمبوس تھیں حسب دستور
عظمتیں ساتھ تھیں کہتی ہوئی سرکار، حضور اس پہ نخوت تھی نہ غرہ نہ تکبر نہ غرور
بڑھ کے چلتے تھے تو اک رہبر عالی کی طرح
جھک کے ملتے تھے تو پھولوں بھری ڈالی کی طرح

مقام اشاعت

دفتر ماہنامہ ''شعاع عمل'' موسسۂ نور ہدایت

منجانب

وقف حسینیہ حضرت غفران مآبؒ و آقائے شریعت میموریل سوسائٹی، مولانا کلب حسین روڈ چوک لکھنؤ۔۳

فون: 0522_2252230 موبائل: 9335276180

تعداد: ایک ہزار قیمت: ۳۰ روپے

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	سخنان	ادارہ	۳
۲	مجدد الشریعۃ محی الملۃ حضرت غفرانمآب طاب ثراہ	آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی نقی النقوی طاب ثراہ	۱۰
۳	قصیدہ	مولانا و مقتدانا السید دلدار علی نقوی سیدؔ مرحوم و مبرور	۲۹
۴	روح اجتہاد	جناب مولوی سید علی یاور صاحب صدرؔا اجتہادی مرحوم	۳۱
۵	استاد ہر استاد	جناب بادشاہ مرزا صاحب ثمر لکھنوی مرحوم	۳۲
٦	ہندی موسیٰ	ابو المعارف مولوی سید دلدار علی نقوی رازؔ اجتہادی مرحوم	۳٦
۷	رہنمائے حق	محشر لکھنوی مرحوم	۴۴
۸	سید المصلحین	سید تنویر مہدی نقوی تنویرؔ نگروری صاحب	۴۵
۹	سلطان العلماء سمی ختم رسل قبلۂ ملک آداب	فاضل نبیل چودھری سبط محمد نقوی صاحب	۴٦
۱۰	امام الجمعہ قدوۃ العلماء	جناب ڈاکٹر محمود الحسن صاحب مرحوم رائے بریلوی	۵۸
۱۱	آقائے قوم قدوۃ العلماء غفران مکان طاب ثراہ	سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی	٦۱
۱۲	کفیل بیکساں	جناب سید تنویر مہدی نقوی تنویرؔ نگروری صاحب	۱۰۴
۱۳	معمار قوم	انجینئر شبیب اکبر نقوی شبیبؔ جائسی صاحب	۱۰۵
۱۴	مرد مستقبل شناس	جناب سید قائم مہدی نقوی تذہیبؔ نگروری صاحب	۱۰٦
۱۵	نواب سید محمد ذکی علی خاں صاحب ہاتفؔ ۔۔۔۔	جناب فصاحت حسین صاحب	۱۰۷
۱٦	خاندان اجتہاد کا اُمّی شاعر ۔۔۔۔	جناب عابد حسین حیدری صاحب	۱۱۲
۱۷	کتب مفیدۂ سرکار سید العلماء	حیدر علی	۱۱۷
۱۸	روداد خونچکاں	لسان العصر حضرت ثمرؔ ہلوری صاحب مرحوم	۱۲۳
۱۹	معین الشریعہ	جناب سید سروش اکبر نقوی صاحب	۱۲۵

سخنان

حضرت غفرانمآبؒ

سیدالمتکلمین فخرالمجتہدین مؤسس اسلام وایمان المومنین علامۃ المتاخرین محیی الملۃ مجددالشریعہ استاذالکل فی الکل آیۃ اللہ العظمیٰ السید دلدارعلی النقوی النصیرآبادی الجائسی السبز واری العربی امام جمعہ و جماعت (متولد جمعہ ١٧/ربیع الثانی ١١٦٦ھ مطابق ١٧٥٢ء بہ نصیرآباد (جائس) متوفی شب ١٩/رجب المرجب ١٢٣٥ھ مطابق ٣/مئی ١٨٢٠ء مدفون بہ حسینیہ خود لکھنؤ) ابن سید محمد معین متوفی ١١٩١ھ۔

آپ پہلے وہ عالم ہیں جو تحصیل علوم کے لیئے عراق وایران تشریف لے گئے اور مجتہد جامع الشرائط کی حیثیت سے ہندوستان راجع ہوئے۔آپ نے عربی اور فارسی میں تقریباً تیس یا اس سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں۔تلامذہ تو آپ کے بکثرت تھے جن میں سے تقریباً چالیس تلامیذ عہد آرا و تاریخ ساز ہوئے اور سچ تو یہ ہے کہ زیادہ تر اہل علم وکمال ہندوستان کے اسی مقدس ذات کی طرف منتہی ہوتے ہیں اور ارباب اجتہاد کی اصل غفرانمآبؒ ہی ہیں۔غفرانمآبؒ جہاں علوم عقلیہ و نقلیہ میں عالمگیر شہرت کے مالک، علامہ ومحقق تھے، وہیں بلا کے ادیب وشاعر بھی تھے۔آپ کے تمام تصانیف اپنا جواب آپ ہیں مگر عمادالاسلام جس کا اصلی نام مرآۃ العقول ہے، یہ کتاب علم کلام میں اتنی بسیط وضخیم ہے جس کی مثال دنیائے تشیع کیا پورے عالم اسلامی میں بھی موجود نہیں ہے،عربی زبان میں ہے اور پانچ جلدوں پر مشتمل ہے جس کی دوجلدیں ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔آپ نے عہد آصفی میں لکھنؤ کو اپنا مستقر بنایا اور نوابین وحکام کو راہ راست پر لگا کر اودھ میں خصوصاً اور عموماً ہندوستان میں بدعات، بیجا رسوم،صوفیت اور اخباریت کا خاتمہ کیا۔ساتھ ہی اصولیت (اجتہاد وتقلید) کا پورے ہندوستان میں ماحول بنایا۔عزائے سیدالشہداء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غلط رسوم مٹا کر شرعی نظام کے ساتھ فروغ دیا۔ساتھ ہی لکھنؤ جو دارالعزا ہے اس میں اکثر اماماڑوں سے پہلے اپنے ہاتھ سے عزاخانۂ حسینؑ کا سنگ بنیاد نصب کیا اور پہلے پہل مجالس بنا کئے بلکہ حضرت سلطان العلماء رضوان مآبؒ کو اجازۂ اجتہاد ووصیت نامہ میں عزاداری میں منہمک رہنے کی وصیت فرمائی۔ساتھ ہی دو عزاخانے آپ ہی نے تعمیر کروائے۔ قدسیؔ جائسی فرماتے ہیں ؎

تیرا جلوہ ڈھونڈھتی تھی ہند کی تیرہ فضا   ہند کا تاریک مطلع تو نے روشن کر دیا
تو نے فرمائی حسینی انجمن آراستا   تو ہوا بانی عزائے سید مظلوم کا

بن گیا تو خود شہید کربلا کا سوگوار
اہل ایماں کو رلایا صورت ابر بہار

روشن اس عالم میں کی شمع عزا صد مرحبا　　جب حسینی کارنامہ تھا جہاں بھولا ہوا
کربلا کا واقعہ اک قصۂ پارینہ تھا　　لوگ اسرار شہادت سے بھی تھے ناآشنا
تو نے سمجھی قدر خون ناحق معصوم کی
تونے ترویج عزائے سید مظلوم کی

غفرانمآبؒ ہندستان کے پہلے مجتہد اور کامیاب مجدد و مصلح ہیں۔علامہ شاہ حسین طوسی فرماتے ہیں

ع مجتہد پیش از و کس نشدہ بود بہ ہند

آپ نے نواب حسن رضا خاں صاحب مرحوم وزیر اودھ کے قصر میں جس کا اثر بھی اب امتداد زمانہ سے باقی نہیں رہا، ۱۳؍رجب ۱۲۰۰ھ میں شیعوں کی پہلی بار ہندوستان میں نماز جماعت اور ۲۷؍رجب ۱۲۰۰ھ کو نماز جمعہ پڑھائی۔قدسیؔ مرحوم فرماتے ہیں ؎

وہ علی الاعلان دورا دور صہبائے حجاز　　شیعیان ہند کی پہلی جماعت کی نماز

جناب نے کئی مسجدیں تعمیر کرائیں جن میں سے ایک مسجد جائس میں اور ایک نصیر آباد میں ہے۔خلق خدا کے سیراب ہونے کے لیئے جابجا کنویں بنوائے اور آصف الدولہ سے تحریک کر کے کربلا میں نہر بنوائی جسے ''نہر آصفی'' کہتے۔جس کے سلسلے میں مرزا فصیح فرماتے ہیں ؎

ہم نے نہ سنا اور نہ سنے تھے یہ سلف تک　　برسات تو ہو ہند میں سیل آئے نجف تک

نجف و کربلا و مقامات مقدسہ زر کثیر بھیج کر مدارس وطلاب کی مدد کی اور روضۂ حضرت سید الشہداء ارواحنا فداہ کی تعمیر میں حصہ لیا۔اودھ کے زرومال کی ترسیل میں یہ وہ پہلا قدم تھا جس کو آپ کی اولاد نے بعد میں بڑے پیمانے پر پہونچا دیا۔سنی و شیعہ اتحاد کی فضا سازگار کی ساتھ ہی دشمنان مذہب حقہ کی تحریروں کے سبب اپنے قلم وزبان سے احقاق حق وابطال باطل کا کام انجام دیا۔اگر چہ ہندوستان میں لکھنؤ ہر کمال کا خزانہ ہو رہا تھا لیکن علمی صحائف کے وجود سے اس کی آغوش خالی تھی۔غفرانمآبؒ نے اپنا عظیم الشان کتب خانہ جمع کر کے اس کمی کو پورا کیا۔آج لکھنؤ میں جتنے کتب خانے ہیں یہ اثر ہیں اسی یادگار کے اور اولیت کا طرۂ امتیاز کتبخانہ غفرانمآبؒ کو ہی حاصل ہے۔آپ نے ہندوستان میں پہلا مدرسہ علم واجتہاد قائم کیا اور آپ ہی نے مدرس کے فرائض انجام دیئے۔نتیجے میں سیکڑوں کو اجازۂ امامت جمعہ و جماعت اور کچھ فقہاء کو اجازات اجتہاد عطا فرما کر کچھ کو لکھنؤ میں روکا اور اکثر کو پورے ہندوستان میں تبلیغ دین ومذہب کے لیئے منتشر کر دیا۔پورے ہندوستان میں حالات کچھ ایسے بنے کہ شاہ عبد العزیز دہلوی کو پریشان ہو کر کتاب تحفۂ اثنا عشریہ ۱۲۰۴ء میں تصنیف کرنی پڑی۔تذہیبؔ نگروری کہتے ہیں ؎

عالم تاریخ ساز و صاحب صد انقلاب　　حق کے ساتھی حق کے ہم آواز تھے غفراں مآبؒ
مذہب آل محمد ہند میں پھیلا دیا　　عالمان دہر میں ممتاز تھے غفراں مآبؒ

اورلکھنؤ سے خطاب کرتے ہوئے شاعر آل محمد نسیمؔ امروہوی فرماتے ہیں کہ ؎

تو علم و اجتہاد کا ہے مہد اولیں — ہندوستاں میں تیرا مقابل کہیں نہیں
دنیائے بے خبر کو دیا تو نے درس دیں — ہم پایۂ عراق و عجم تیری سرزمیں
بخشا یہ اوج ہادی راہ صواب نے
جنت بنا دیا تجھے غفراں مآبؒ نے

سلطان العلماءؒ

قبلہ وکعبہ سلطان العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد نقوی رضوان مآب طاب ثراہ امام جمعہ وجماعت (متولد ۱۷ر صفر المظفر ۱۱۹۹ھ ۱۷۸۴ء بہ لکھنؤ متوفی شب پنجشنبہ ۲۲ر ربیع الاول ۱۲۸۴ھ ۱۸٦۷ء مدفون بہ حسینیۂ غفرانمآبؒ) اکبر اولاد حضرت غفرانمآب علیہ الرحمہ ——— بارہویں صدی ہجری کے علمی آسمان کے تابناک سورج حضرت غفرانمآبؒ کے فرزند اکبر حضرت سلطان العلماء انیس برس کی عمر میں تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے تھے چنانچہ ۱۲۲۸ھ میں حضرت غفرانمآبؒ نے آپ کو اجازۂ اجتہاد مرحمت فرمادیا تھا۔ جناب غفرانمآبؒ نے سلطان العلماء کے ایام طفولیت میں خواب میں دیکھا جس میں حضرت امام عصر عجل اللہ فرجہ الشریف نے غفرانمآبؒ کو ان کے فرزند سلطان العلماء کی تربیت کے لیئے اپنے زیر سایہ لینے کی بشارت دی تھی۔ اس پر جناب سلطان العلماء عمر بھر فخر کرتے رہے۔ حضرت قدسیؔ فرماتے ہیں

ع آگیا کوئی حضانت میں امام عصر کی

علماء ومجتہدین عراق وایران نے آپ کی علمی عظمت کا کھلے لفظوں میں اقرار کیا۔ نجف اشرف (عراق) کے مشہور ترین مرجع تقلید آیۃ اللہ العظمیٰ آقائی شیخ الفقہاء علامہ محمد حسن نجفی متوفی ۱۲٦۲ھ نے اپنے اس مکتوب میں جو انہوں نے سرکار سلطان العلماء کے چھوٹے بھائی قبلہ وکعبہ بحر العلوم سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ السید حسین کو لکھا تھا اور اس میں بعض مسائل فقہ کی تشریح آنجناب سے چاہی تھی۔ اس خط میں شیخ ممدوح علیہ الرحمہ نے حضرت سلطان العلماء کی جلالت علمی کا شاندار لفظوں میں ذکر کیا ہے۔ منبر پر ذکر فضائل ومصائب حضرت سید الشہداء کی ابتدا سلطنت اودھ میں آپ ہی سے ہوئی تھی۔ بہ عہد معدلت مہد امجد علی شاہ حکومت شرعیہ کا قیام سلطان العلماء ہی کا کارنامہ ہے۔ بادشاہ نے اپنا تاج سلطان العلماء کے سامنے یہ کہہ رکھ دیا کہ حکومت کا انتظام دیکھنا نائب امامؑ کا کام ہے۔ سلطان العلماء نے شاہ کو شاباشی دی اور فرمایا ہمیں شخصی اقتدار درکار نہیں ہے۔ آپ ان مقاصد کی تکمیل کریں جو شریعت مطہرہ میں اہم اور ضروری ہیں تو میں یہ تاج خود اپنی طرف سے آپ کے سر پر رکھ دوں۔ بادشاہ نے سلطان العلماء سے عہد و پیمان کیا اور آپ نے وہ تاج اپنے دست مبارک سے شاہ کے سر پر رکھ دیا۔ سلطان العلماء نے کئی درجن عربی وفارسی میں ضخیم ومبسوط کتابیں اور مشہور زمانہ اولاد اور بہت سے شہرۂ آفاق تلامیذ یادگار چھوڑے۔ شہنشاہ سخن خلاق مضامین مرزا دبیر اعلی اللہ مقامہٗ آپ کی مدح میں فرماتے ہیں کہ ؎

اول جناب مجتہد العصر والزماں	بسم اللہ صحیفۂ آیات عزو شاں
خضر زمانہ مرجع سادات ومومناں	سلطان عالماں، سند معنی و بیاں
چشم و چراغ مجلس عالم جمال میں
خاص الخلاصہ بنی آدم کمال میں
ناجی وہی ہے ان سے جنہیں اعتقاد ہے	یہ اعتقاد شیعوں کو زاد المعاد ہے
ارشاد وہ بجا ہے کہ اللہ شاد ہے	خیر الجہاد ان کے لیئے اجتہاد ہے
شیعوں کو کہئے قبلہ شناس اس بیان سے
کہتے ہیں ان کو قبلہ و کعبہ زبان سے

سلطان العلماء اور آپ کے چھوٹے بھائی سید العلماء کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ دونوں کو پہلے پہل قبلہ وکعبہ کہا گیا اور حکومت کی طرف سے بڑے قبلہ وکعبہ اور چھوٹے قبلہ وکعبہ کہنے کا حکم بھی صادر ہو گیا تھا۔

علامہ مفتی تعزیتی نظم ''مات مجتہد العصر (۱۲۸۴ھ)'' میں فرماتے ہیں کہ ؎

نیست بیجا گر بدور نعش او پیر وجواں	دیدۂ تر داشتند و شور محشر داشتند
درعرب یا درعجم درعلم وفضل وحسن خلق	کس نمی گوید کہ درآفاق ہمسر داشتند

سید المفسرین آیۃ اللہ فی الانام مولانا ومقتدانا السید علی النقوی مجتہد طاب ثراہ ابن حضرت غفرانمآب علیہ الرحمۃ (متولد ۱۸ رشوال ۱۲۰۰ھ ۱۷۸۵ء بہ لکھنؤ متوفی ۱۸ ررمضان المبارک ۱۲۵۹ھ ۱۸۴۳ء مدفون بہ کربلائے معلی)

آپ نے متعدد مفید کتابیں عربی وفارسی میں تصنیف فرمائیں لیکن ایک بڑی بے مثل کتاب ہے اور وہ دنیا میں شیعہ مذہب کا پہلا اردو ترجمہ وتفسیر قرآن (مطبوعہ ۱۲۵۳ھ) ہے۔ جو دو جلدوں پر مشتمل ہے اور بہت ضخیم ومبسوط ہے۔ اس ترجمہ و تفسیر کا نام ''توضیح المجید فی تفسیر کلام اللہ الحمید'' ہے۔ نسیم امروہوی صاحب فرماتے ہیں کہ

یہ سب سے پہلے مفسر زبان اردو میں	جناں کے پھول کھلے گلستان اردو میں

آیۃ اللہ فی الانام مولانا السید حسن النقوی مجتہد طاب ثراہ ابن حضرت غفران مآب علیہ الرحمہ (متولد ۲۱ رذیقعدہ ۱۲۰۵ھ ۱۷۹۱ء بہ لکھنؤ متوفی ۱۱ رشوال ۱۲۶۰ھ ۱۸۴۴ء مدفون بہ حسینیۂ غفرانمآبؒ لکھنؤ) آپ نے کئی اہم کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں جن میں سے اردو زبان میں علم کلام کی پہلی مبسوط وقابل قدر کتاب ''باقیات الصالحات'' بہت اہم ہے۔ اس کتاب میں تمام اصول دین بدلائل سلیس اردو میں تحریر ہیں۔

آیۃ اللہ فی الانام مولانا سید مہدی النقوی مجتہد طاب ثراہ ابن حضرت غفران مآب علیہ الرحمہ (متولد بہ لکھنؤ ۱۲۰۸ھ ۱۷۹۳ء متوفی آخر ذی الحجہ ۱۲۳۱ھ ۱۸۱۶ء مدفون بہ حسینیۂ غفرانمآب لکھنؤ)

آپ بیحد حدید الذہن تھے۔ اکثر شب کو بیدار رہتے تھے۔ مسائل کے استنباط میں بے نظیر اجتہاد فرماتے تھے۔ جناب سید العلماء سید حسین طاب ثراہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ''میں اور برادر معظم مولانا سید حسن اور مولانا سید مہدی مرحوم ہم تینوں جناب غفران مآب کی خدمت میں ہم درس تھے اور مولانا سید مہدی ہم تینوں بھائیوں سے فضل وکمال میں سبقت لے گئے تھے اور دقت نظر میں بلند پایہ تھے۔'' سید مہدی نے بہت سے کتب درسیہ پر تعلیقات وحواشی تحریر فرمائے ہیں۔

نسیم امروہوی مرحوم فرماتے ہیں ؎

جناب سید مہدی تھے افتخار زمن　　کہ جن کی موت میں سورج کو لگ گیا تھا گہن

مولانا سید مہدی تقریباً ۲۳ رسال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ جوان بیٹے کی یاد میں حضرت غفرانمآب نے ''مُسَکِّنُ القُلُوْبِ عِنْدَ فَقْدِ الْمَحْبُوْبِ'' (مصائب انبیاء وائمہ معصومین علیہم السلام درعربی) نامی کتاب قلمبند فرمائی ہے۔

قبلہ وکعبہ بحر العلوم آیۃ اللہ العظمیٰ اعلم العلماء فی العالم سید العلماء السید حسین النقوی علیین مکان

المعروف بہ جناب میرن صاحب۔ اصغر اولاد حضرت غفران مآب علیہ الرحمہ (متولد بہ لکھنؤ ۱۴ ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ اکتوبر ۱۷۹۶ء متوفی شب شنبہ ۱۷ رصفر ۱۲۷۳ھ اکتوبر ۱۸۵۶ء مدفون بہ حسینیۂ غفرانمآب)

حضرت غفران مآبؒ کے فرزندوں کے نام محمد، علی، حسن تھے اور چوتھے بیٹے کا نام آپ نے مہدی رکھا۔ خواب میں غفران مآب نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو دیکھا کہ امام فرما رہے ہیں ''تم نے اپنی اولاد نرینہ کے نام رکھنے میں پنجتن کا سلسلہ کیوں موقوف کردیا'' غفران مآب نے عرض کیا ''اب میں ضعیف ہوگیا ہوں اس لیئے آخری فرزند کا نام آخری امام کے نام پر رکھا۔ امام نے فرمایا ایک فرزند اور ہوگا اس کا نام میرے نام پر رکھنا'' اس لیئے ۱۴ ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ کو پیدا ہونے والے خوش قسمت بچے کا نام ''حسین'' رکھا گیا۔ مادۂ تاریخ ''خورشید کمال'' ہے۔

سید العلماء نے کئی درجن عربی اور فارسی میں گرانقدر ومعیاری کتابیں، سورج کی طرح علم وفضل میں چمکنے والے بیٹے اور مشاہیر زمانہ تلامذہ چمن روزگار کو عطا فرمائے۔ مثلاً مفتی علامہ محمد عباس، سند المجتہدین علامۂ جائسی، علامہ میر حامد حسین صاحب عبقات الانوار وغیرہم۔ آپ اپنے وقت کے اعلم دنیا تھے۔ علامہ مفتی محمد عباس صاحب فرماتے ہیں ؎

امامے کہ در کشور اجتہاد　　چو او مادر دہر ہرگز نہ زاد

جب حکومت اودھ میں شرعی احکام کا نفاذ ہوا یعنی حکومت شرعیہ قائم ہوئی تو سلطان العلماء نے عدلیہ وانتظامیہ کی نگرانی اپنے ذمہ لی اور سید العلماء نگران شعبۂ تعلیم وتدریس ہوئے۔ سلطان العلماء بھی تمام معاملات میں چھوٹے بھائی کی رائے کو مقدم رکھتے تھے۔

''علیین مکان نے نجف میں نہر آصفی کی اصلاح وتعمیر کے لیئے ڈیڑھ لاکھ روپے اور روضۂ حضرت عباسؑ کے نقرئی

دروازوں کی تجدید اور ایوان طلا کی تعمیر کے لیئے تیس ہزار روپئے اور سامرے میں روضۂ عسکریین کی چہار دیواری، گنبد پر طلا کاری اور ایک مسافر خانے کی تعمیر کروائی اور ''نہر حسینیؑ'' کربلا کی کھدائی کے لیئے ایک لاکھ پچاس ہزار روپئے بھیجے، حضرت حرؑ کی قبر پر عمارت بنوائی۔ یہ سب روپیہ آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ محمد حسن صاحب مصنف جواہر الکلام اور آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابراہیم صاحب مصنف ضوابط الاصول کو بھیجا۔ اس سلسلے میں خطوط ''ظل ممدود'' میں چھپ چکے ہیں ۔۔۔۔ دو ڈھائی لاکھ روپئے یہ اور حرمین کی خدمت کے لیئے ہزار ہا روپئے محمد علی شاہ بادشاہ اودھ اور رؤساء اور خود اپنے پاس سے بھجوائے ۔۔۔ کوفہ میں حضرت مسلم و ہانی کے مزار ایک مدت سے بے توجہی کا نشانہ تھے، سید العلماء نے پندرہ ہزار روپئے بھجوا کر دونوں روضوں کی تعمیر کروائی۔''

(مطلع انوار مولفہ مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی)

علامہ مفتی میر عباس صاحب اپنے استاذ علام طاب ثراہ کے فضائل و مناقب تحریر فرماتے ہیں (در عربی) یعنی ''سید العلماء کے سلسلے میں کہتا ہوں کہ اس پاکیزہ نفس کی منزلت تمام نفوس سے اس طرح ہے جس طرح سر میں آنکھیں ہوتی ہیں اور وہ نسبت ہے جو بادشاہ کو رعایا سے ہوتی ہے بلکہ وہ نسبت جو معقولات کو محسوسات سے ہوتی ہے۔ میرے بعض احباب کرام جب زیارت نجف اشرف و کربلائے معلی کے بعد پلٹے تو انہوں نے کہا کہ جناب سید العلماء کی قدر لکھنؤ میں رہ کر کماحقہٗ نہیں ہو سکتی بلکہ اس سید کریم اور عالم جلیل کی حقیقی منزلت اس وقت معلوم ہوتی ہے جب عالم کا دورہ کیا جائے اور تنقیدی نگاہ سے تمام دنیا کے علماء کو دیکھا جائے جو مختلف شہروں میں زینت بزم علم ہیں کیوں کہ ہر شے کی حقیقی منزلت اسی وقت معلوم ہوتی ہے جب اس کی ضد سے اس کا مقابلہ کیا جائے اور خدا ہی سیدھی راہ کی ہدایت کرنے والا ہے ۔۔۔۔ میں قسم کھاتا ہوں علم اور اس کی رفعت شان کی اور میں حلف کرتا ہوں دین و مذہب اور اس کے مستحکم بنیاد کی کہ جناب سید العلماء اپنے زمانے کے کبار علماء میں سے سب سے سبقت لے گئے ہیں بلکہ موجودین ہی نہیں جو علمائے سابقین تھے ان سے بھی میرے استاد کو وہی نسبت تھی جو ہمارے نبیؐ ختمی مآب کو اور انبیاء سابقین سے تھی۔''

جناب مفتی صاحب نے ایک خط میں جو صاحب جواہر کو لکھا تھا جس میں زیارت عتبات عالیات کا اشتیاق ظاہر فرمایا تھا چنانچہ صاحب جواہر تحریر فرماتے ہیں کہ (در عربی) یعنی ''خداوند عالم کا آپ پر احسان ہے کہ اس نے اہلبیت طیبین و طاہرین کی اولاد کرام کی مصاحبت کا شرف عطا کیا اور آپ کو اس چمن تک پہونچایا جہاں اس شجرۂ نبوت کی شاخیں سایہ فگن ہیں اور وہ شخص ہیں جو اس اصل نبوت کی فرع ہیں اور شیعوں کے فریاد رس اور دین رسول کے ہادی جن کا حسب و نسب، فہم و علم سب اس شجرۂ نبوت سے متصل ہے ۔۔۔ پھر علامہ چند القاب استعمال فرما کر کہتے ہیں کہ ''ان جناب کا وہ علم ہے کہ اگر تمام ساکنین ارض پر تقسیم کر دیا جائے تو ایک فرد انسانی بھی جاہل نہ رہے اور وہ ہمارے سید و سردار جناب سید العلماء سید حسین صاحب ہیں اور چونکہ ایسے بزرگ کی آپ کو صحبت حاصل ہے اس وجہ سے آپ کے عراق تشریف لانے سے ان کی خدمت میں حاضر رہنا زائد بہتر ہے اور اسی وجہ سے میں آپ سے التماس کرتا ہوں کہ آپ آنجناب کی خدمت میں برابر حاضر رہیں اور ان کے بحر علم

سے ہر صبح وشام حکمت کے موتی حاصل کرتے رہیں۔''

مزید معلومات کے لیئے مفتی صاحب کی کتاب ''ظل ممدود'' کا مطالعہ بہتر ثابت ہوگا۔

شاعر اعظم مرزا دبیر مرحوم اپنے مرثیہ ''طغریٰ نویس کن فیکون ذوالجلال ہے'' میں سلطان العلماء کی مدح سرائی کے بعد سید العلماء کے ثنا گستر ہوتے ہیں کہ ؎

بعد ان کے سید العلماء مجمع علوم — خاصان ذوالجلال میں کالبدر فی النجوم
اک طبع پاک اور شغل پاک کا ہجوم — اس پر بھی ہے وفور نوازش علی العموم
دنیا کے فخر دین کے بھی زیب وزین ہیں
وجہ حسن یہ ہے کہ مسمّٰی حسین ہیں

معنیٔ حلم و فضل و حیاء منبع کرم — تصویر زہد وعدل وورع سر سے تا قدم
انصاف کھا رہا ہے مرے صدق پر قسم — مطلوب داد نظم ہے نے شہرۂ رقم
واقف ہے کبریا کہ دروغ وریا نہیں
مقصد کوئی رضائے خدا کے سوا نہیں

قدرت خدا کی شکل بشر میں فرشتہ ہے — کیسا فرشتہ ان کو محمد سے رشتہ ہے
رگ رگ بدن میں سبحۂ طاعت کا رشتہ ہے — جاری بلا د شرع میں ان کا نوشتہ ہے
دامن قلم کا پاک حروف غلط سے ہے
روشن سواد کشور دیں ان کے خط سے ہے

علیین مکان کے ارتحال پر ملال پر ہندوستان کے بیشتر شعراء باکمال واساتذہ فن نے مراثی وقطعات تاریخ نظم کیئے مرزا غالبؔ بھی سلطان العلماء وسید العلماء کے معتقدین میں تھے۔ انہوں نے قطعہ تاریخ اور ایک درد انگیز ترکیب بند فارسی میں نظم فرمایا ہے۔

بندہ نے اداریہ میں حضرت غفران مآب علیہ الرحمہ اور ان کے پانچ عالمان علوم پنجتن فرزندوں کے علماء وفقہاء سے ممتاز کرنے والے کارناموں کا تذکرہ کیا۔ اب انشاء اللہ آئندہ سال کے شمارہ ۷ میں دیگر فقہاء وعلماء خاندان اجتہاد کے طرۂ امتیاز نقوش تابناک زندگانی پیش کرنے کی سعادت حاصل کرے گا۔ وَ آخِرُ دَعْوٰانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ

سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی

موسسۂ نور ہدایت حسینیۂ حضرت غفران مآبؒ، چوک لکھنؤ ۳

مجدد الشریعۃ محیی الملۃ

حضرت غفرانمآب طاب ثراہ

(جنہوں نے مذہب شیعہ اثنا عشری ہندوستان میں رائج فرمایا!)

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء حاج سید علی نقی النقوی طاب ثراہ

اہل زمانہ کی علم سے بے توجہی اور اس کے پر فضا باغ سے روگردانی کا کون احساس نہیں کر رہا ہے۔ دنیا نئی روشنی پر مائل ہوتے ہوئے پرانے خیالات کو اپنے دل سے نکال رہی ہے یہاں تک کہ ایک وقت وہ نظر آرہا ہے کہ شیعوں کی کسی فرد کے سامنے اگر کسی رہنمائے دین کا نام بھی لیا جائے تو شاید وہ اس کو اجنبی سمجھ کے سنے اور پہچان نہ سکے ایسے وقت میں میرے خیال میں ہر واقف کار کا فرض ہے کہ وہ رہنمایان دین کے علمی کارناموں کو جہاں تک علم ہو قوم کے سامنے پیش کرے تاکہ افراد قوم اپنے مجددان شریعت کو بھولنے نہ پائیں پرانے تذکرے اگرچہ تقویم پارینہ کہنے کے قابل ہیں جس سے فطرۃً دلچسپی نہیں ہوتی مگر فائدے سے خالی نہیں ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پرانے قصۂ نوح وسلیمان وموسیٰ وعیسیٰ کے واقعات قرآن مجید میں کیوں مندرج ہوتے وہ فائدہ یہی کیوں نہ سہی کہ موجودین کو اپنے سابقین کے کارنامے دیکھکر غیرت ہی آئے۔ یہی سہی کہ دنیا اپنے گذشتہ بزرگوں کو بھولنے نہ پائے یہی کہ ان کے عادات و اخلاق کے تذکرے شاید باعث ہدایت ہوں۔ انہیں امور پر نظر کرتے ہوئے میں نے بھی قصد کیا ہے کہ ناظرین ''مبلغ'' کو اس مقدس خاندان کے حالات سے مطلع کروں اس لئے کہ ہندوستان میں علم ومعرفت کے جو جھنڈے قائم ہوئے ہیں وہ اسی خاندان کے باہمت افراد کی کوششوں کا نتیجہ ہیں اور جتنی روشنی علم دین کی اقطار ہند میں ہے وہ اسی سماء ہدایت کے شموس واقمار کی ضیا ہے۔ پہلے اس سلسلۂ اجتہاد کی پہلی فرد کے حالات سے ابتدا کرتے ہیں۔ پھر اگر صحت وفرصت نے اجازت دی تو اس سلسلے کو آخر تک پہونچانے کا ارادہ ہے۔ ''انشاء اللہ''

مجدد ثانیہ عشر حضرت غفرانمآب طاب ثراہ

اصلی نام سید علی تھا اور معروف بسید دلدار علی تھے۔ سادات نقویہ کے حسیب ونسب خاندان سے تھے۔

سلسلۂ نسب

استاذ الکل فی الکل حضرت علامہ سید علی بن سید محمد معین بن سید عبدالہادی بن سید ابراہیم بن سید طالب بن سید مصطفی بن سید محمود بن سید ابراہیم بن سید جلال الدین بن سید زکریا بن سید خضر بن سید تاج الدین بن سید نصیر الدین بن سید علیم الدین بن سید علم الدین بن

سید شرف الدین بن سید نجم الدین سبزواری جائسی بن سید علی بن سید ابو علی بن سید ابو علی محمد بن ابو طالب حمزہ بن سید محمد سید طاہر بن جعفر تواب ابن امام عاشر حضرت علی نقی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

یہ تمام اجداد امجاد جو مذکور ہوئے ارباب شرف و منزلت و شجاعت تھے من جملہ ان کے جناب سید نجم الدین سبزواری مرحوم امرائے سلاطین غزنویہ سے تھے بغرض نصرت سالار مسعود غازی سبزوار سے ہندوستان میں وارد ہوئے اور قلعہ ودیانگر کو مسخر کر کے اس کا نام جائے عیش رکھا جو فی زمانا کثرت استعمال سے جائس مشہور ہے اور سید زکریا نے قصبہ پٹاک پور پر قبضہ کیا اور اپنے جد اعلیٰ سید نصیر الدین کے نام سے نصیر آباد نام رکھا جو جناب غفرانمآب طاب ثراہ کا مولد اور سادات نقویہ کا مسکن ہے۔

ولادت

جناب کی ولادت کا فخر صوبہ متحدہ کے ایک چھوٹے سے قصبہ نصیر آباد ضلع رائے بریلی کو حاصل ہے تاریخ ولادت میں فی الجملہ اختلاف ہے بعض حسابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سال ولادت ۱۱۶۱ھ تھا۔ مگر صاحب تذکرۃ العلماء نے لکھا ہے کہ میں نے خود جناب غفرانمآبؒ طاب ثراہ کے قلم سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ میرے والد ماجد جناب سید محمد معینؒ نے تقریباً ۱۱۹۱ء میں بعمر تہتر سال انتقال فرمایا اور میری ولادت کے وقت جناب مرحوم کا سن شریف اڑتالیس سال کا تھا۔ اس کی بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ جناب تقریباً ۱۱۶۶ھ میں متولد ہوئے تھے اور اکثر تذکروں میں سال ولادت جناب کا یہی ۱۱۶۶ھ مندرج ہے۔ شب ولادت شب جمعہ تھی دیکھنے والوں نے بیان کیا ہے کہ بوقت ولادت ایک ایسا نور ساطع ہوا جس سے تمام مکان منور ہو گیا۔

کمسنی کا عہد اور وطن کی زندگی

ابتدائے سن میں اپنے وطن نصیر آباد ہی میں قیام تھا۔ قصبہ میں وارد ہونے کے بعد آباؤ اجداد کا شغل چونکہ زمینداری تھا لہٰذا آپ بھی اکثر بیرون آبادی ایک باغ میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک دن ایک درخت کے قریب کھڑے ہوئے تھے کہ آواز آئی جس کا حاصل یہ تھا کہ دلدار علی جاؤ تحصیل علم کو۔ ناچیز نے خوش قسمتی سے خود اس محل شریف کی زیارت کی ہے جہاں کا یہ واقعہ ہے اس آواز کے سنتے ہی جناب مغفور نے کمر اپنی تحصیل علم و کمال پر چست باندھ لی اور صعوبات سفر برداشت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

ابتدائے تحصیل علم

اس آواز کو سنتے ہی یہ مجدد ملت اکتساب علم کے لئے اعزاء اقرباء سے مفارقت کر کے وطن سے نکل آئے۔ افاضل ہندوستان سے علوم معقول کی تحصیل کے لئے دور دراز مقامات کا سفر کیا حق یہ ہے کہ جناب مرحوم نے اکتساب علوم میں وہ جانفشانی کی کہ جو طاقت بشری سے خارج تھی صرف تائید غیبی اور اس آواز کا پر جوش اثر تھا جس نے ہر موقع پر ہمت کو بڑھایا۔

صوبہ متحدہ تو کیا ہندوستان بھر میں کوئی ریلوے

ٹرین کا نام بھی نہ جانتا تھا۔ نہ آلات تھے نہ مشین نہ تار گھر نہ ڈاک کہ اہل وطن کی خیر و عافیت ہی معلوم ہو سکتی نہ کوئی دستگیر سوائے تائید الٰہی کے اور پھر اس پریشانی کی حالت میں افاضل عصر سے مکالمہ و مباحثہ کرنا آسان امر نہ تھا اسی زمانہ طالب علمی میں دور دراز مقامات کا سفر کرتے ہوئے شاہجہاں آباد پہونچے وہاں مولوی عبد العلی سے (جو اہلسنت کے متبحر عالم تھے بالخصوص علوم عقلیہ میں) مباحثہ ہوا اور اسی شہر کی مسجد جامع میں مولوی حسن صاحب سے معقولی مباحثہ ہوا اور ایسے دندان شکن و مسکت جواب دیئے کہ مولوی صاحب مذکور کو سکوت کرنا پڑا جناب مرحوم نے الہ آباد میں سید غلام حسین دکنی حیدر آبادی سے درسی کتابیں پڑھیں اور مولوی حیدر علی سندیلوی خلف ملا حمد اللہ سندیلوی طاب ثراہ سے شرح سلّم حمد اللہ پڑھی اور رائے بریلی میں مولوی باب اللہ شاگرد ملا حمد اللہ سے اکثر درسیات پڑھے یہاں تک کہ علوم عقلیہ میں دستگاہ کامل حاصل ہوگئی۔

سفر عراق اور تکمیل علم

جب ہندوستان میں معقولات کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو تکمیل کے لئے عراق کی جانب متوجہ ہوئے ۱۱۹۳ھ میں سفر عتبات عالیات کیا وہ وقت ایسا تھا کہ سفر عراق میں وہ سہولتیں نہ تھیں جو اس وقت موجود ہیں بلکہ بکثرت خدشات اور بحر و بر دونوں کے غیر مطمئن ہونے سے سفر آخرت کا مزا ملتا تھا۔ اس زمانے کے تیز رفتار اور راحت رساں جہاز نہ تھے یہ اسباب آسانی موجود نہ تھے جواب ہیں۔ مگر یہ وہ باہمت ہستی تھی جس نے نہایت استقلال اور پامردی سے بمفاد ؎

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان شور افزا
دل افگندم بسم اللہ مجریٰھا و مرسٰھا

اپنی کشتئ ہمت دریائے سعی میں ڈالدی خدا نے مدد کی ولولہ دل نے رہبری کی جذب شوق نے کھینچا یہاں تک کہ منزل مقصد تک پہونچ گئے۔ مقامات مقدسہ پر پہونچ کے سعی، کوشش تحصیل علم میں بڑھ گئی زیارات مشاہد مقدسہ کے بعد علمائے کرام سے ملاقات کی اور جناب سرکار آقا محمد باقر بہبہانی طاب ثراہ سے استبصار اور خود انہیں کی کتاب فوائد حائریہ کا درس شروع کیا اور کچھ حصہ ریاض المسائل یعنی شرح کبیر کا خود اس کے مصنف سرکار آقا سید علی طباطبائی سے پڑھا اس زمانہ میں جناب بحر العلوم آقا سید مہدی طباطبائی حجاز میں تھے اور ابھی تک اپنے وطن مالوف نجف اشرف میں واپس نہ آئے تھے اور جناب غفرانمآبؒ اگرچہ اساتذۂ کربلائے معلیٰ سے تحصیل علم کررہے تھے۔ مگر چونکہ اکثر علماء و فضلاء کی زبان پر جناب بحر العلوم کی جلالت علمی کا تذکرہ سنا تھا ان کی خدمت میں استفادہ کے زائد مشتاق تھے یہاں تک کہ جب جناب بحر العلوم نجف اشرف میں واپس آئے تو غفرانمآبؒ کربلائے معلیٰ سے روانہ ہوئے اور ان سے استفادۂ علوم کے لئے نجف اشرف تشریف لائے دروازۂ باب مدینہ علم پر آکر فیوض علمیہ سے مالال ہونے لگے اور تحصیل علم جناب بحر العلوم کی خدمت میں شروع کی خود

فرماتے ہیں کہ وجدت فوق ما سمعته و اضعافه ما وصفه الواصفون میں نے ان کو جتنا سنا تھا اس سے بدرجہا بالاتر پایا۔ جناب مغفور نے ان کی مجلس درس میں وافی اور معالم کو پڑھا اور اگر چہ زمانہ استفادہ ان کی درس میں کم رہا مگر فیض جناب مغفور سے بہت پہونچے اور کربلائے معلیٰ میں آقا سید محمد مہدی شہرستانی سے بھی کچھ تحصیل علم کی تھی اس کے بعد مراجعت وطن کے قصد سے کربلائے معلیٰ سے حرکت کی اور کاظمین شریفین زیارت کے لئے آئے جناب بحر العلومؒ بھی اس زمانہ میں کاظمین میں مقیم تھے اور سامرہ تشریف لے جانے کے عزم میں تھے۔ جناب مغفور کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا اس لئے کہ وہ ایک ایک دن کو جو تحصیل علم میں صرف ہو بہت گرانقدر سمجھتے تھے اور اس چند دن کے سفر کو بھی استفادہ و استفاضہ سے خالی نہ رکھا اس کے بعد ۱۱۹۴ھ میں مشہد مقدس تشریف لے گئے اور زیارت مشہد حضرت امام رضاؑ سے مشرف ہوئے اس زمانہ میں جناب سرکار آقا محمد مہدی بن ہدایت اللہ اصفہانی شہید رابع طاب ثراہ اسی محل میں قیام پذیر تھے۔ جناب غفرانمآبؒ ان کی خدمت میں گئے اور استفادہ کیا یہ زمانہ اور آخر موسم خریف اور ابتدائے زمانہ سرما کا تھا اور اس زمانہ میں سفر کرنا ان اطراف میں غرباء کے لئے بہت سخت و دشوار اور تکلیف دہ تھا لہٰذا جناب کو کچھ زمانے کے لئے وہاں قیام کرنا پڑا اور ہر روز جب زیارت روضہ رضویہ سے مشرف ہوتے تھے تو اس کے بعد خدمت میں جناب استاذ علام کے حاضر ہوتے تھے یہاں تک کہ اکثر علوم کی تکمیل جناب موصوف سے فرمائی۔ جب زمانہ سرما ختم ہوا اور ہوا معتدل ہوئی تو اپنے استاد ممدوح سے رخصت ہونے کے لئے گئے تو موصوف نے اپنے دست مبارک سے ایک کتاب پر ایک مختصر سا اجازۂ اجتہاد جناب غفرانمآبؒ کے لئے تحریر فرما کے مرحمت کیا۔ اس کے بعد جناب غفرانمآبؒ ان سے رخصت ہو کے صعوبات سفر برداشت کرتے ہوئے وطن کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ وہ حالات ہیں کہ خود جناب مغفور نے اس اجازہ میں جو جناب سلطان العلماءؒ کو دیا ہے تحریر فرمائے ہیں۔ نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں مرحوم (وزیر اعظم) کے مساعی جمیلہ اور زبان کے پر اثر مواعظ اور سب سے بڑھ کے توفیق ایزدی کا نتیجہ تھا کہ جناب غفرانمآب طاب ثراہ ایک موقع پر تحریر فرماتے ہیں کہ سلطنت کی جانب سے جب مجھ سے نماز جماعت کی خواہش ہوئی تو پہلے میں نے عذر کیا چند وجوہ سے (۱) یہ کہ یہ منصب نہایت جلیل ہے اور میں اس مرتبہ کے قابل اپنی ذات کو نہیں سمجھتا (۲) یہ کہ اس طرح جمعہ و جماعت کبھی زمانہ سابق میں سبب تسلط مخالفین کے نہیں ہوا تھا لہٰذا اس کے ہونے میں نکتہ چینی اور استعجاب کا خوف تھا۔ (۳) خیال تھا کہ شاید بعض مخالفین اس میں کچھ دراندازی کریں لیکن جب میں نے دیکھا کہ نیت محرک کی خالص ہے اور ان کی ہمت اعلاء کلمۃ الایمان کی طرف منعطف ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ میں نے مخالفین کی کمزوری اور ان کے ارکان کے تزلزل کا احساس کیا تو مجھے جناب رب العزت

سے خوف ہوا کہ بعد عذر تمام ہو جانے کے اس امر خیر میں تساہل کرنے سے مجھ سے مواخذہ نہ کرے۔ لہٰذا میں نے التماس کو منظور کیا اور ایک رسالہ بھی لکھا جس میں احادیث و آیات سے فضیلت نماز جماعت کو ثابت کیا تھا۔ بہرحال فضل خداوندی اور برکت وجود جناب غفرانمآب طاب ثراہ سے لکھنؤ میں نماز جماعت کی بنیاد پڑ گئی اور نماز ظہرین ۱۳؍رجب ۱۲۰۰ھ روز جمعہ کو نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خان ناظم الملک ظفر جنگ وزیر الملک کے قصر میں ہوئی۔ جس میں جناب غفرانمآب طاب ثراہ نے امامت جماعت فرمائی اور روز مبعث ۲۷؍رجب ۱۲۰۰ھ نماز جمعہ پڑھائی اس کے بعد سے سلسلہ جمعہ و جماعت کا قائم ہو گیا۔

موعظہ وارشاد

جب نماز جمعہ و جماعت کا سلسلہ جاری ہو گیا تو جناب غفرانمآبؒ نے شیعوں کی مذہبی کمزوری اور احکام شرعیہ سے ناواقفیت کو دیکھتے ہوئے اس امر کی سخت ضرورت محسوس کی کہ ان کے موعظۂ حسنہ سے ہدایت کی جائے چنانچہ ہر جمعہ کو بعد نماز موعظہ کا بھی سلسلہ قائم ہوا جس میں حسب ضرورت اوامر و نواہی اور مسائل اصولیہ وفرعیہ کا تذکرہ ہوتا تھا۔ چنانچہ ان ہی موعظہ کے مجموعہ کا کلام مواعظ حسنہ ہے جو بعض مخلصین نے جمع کر لئے تھے۔

مجالس وعظ میں خود جناب نواب آصف الدولہ مرحوم بھی شرکت فرماتے تھے اور جناب غفرانمآبؒ کبھی امور حق میں جلالت شاہی سے متاثر نہیں ہوئے اور نہ کبھی اعلائے کلمۂ حق میں کسی کی پرواہ کی۔

لا یخافون لومة لائم کو عملاً ثابت کر دیا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ صحبت وعظ میں نواب صاحب مرحوم موجود تھے اور جناب وعظ کہنے کے لئے منبر پر تشریف لے گئے نواب حسن رضا خاں مرحوم نے کان میں سرگوشی کی کہ جناب جو چاہیں بیان فرمائیں مگر بھنگ نوشی کی مذمت نہ کریں نواب صاحب اس کی جانب راغب ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری کوششیں بے سود ہو جائیں یہ سن کے آپ نے فرمایا کہ آج ہی تو اس کا موقع ہے اور ایسی عبرت خیز تقریر فرمائی کہ نواب صاحب لرزہ براندام ہو کر کھڑے ہوئے اور تمام حضار سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمام مومنین گواہ رہیں کہ جناب ہادیٔ دین کی نصیحت سے متاثر ہو کر میں آج سے بھنگ نوشی سے توبہ کرتا ہوں، ہلاک بھی ہو جاؤں گا تو نہ پیوں گا۔ یہ بھی شان موعظہ اور اسی خلوص کا اثر تھا کہ دلوں میں نور ایمان پیدا کر دیا اور اسلام کے شجر کو دنیا میں ایسا مضبوط قائم کر دیا کہ شبہات کی تیز وتند ہوائیں اس کو نہیں اکھاڑ سکتیں۔

تبلیغ شریعت

ہندوستان میں کفر و الحاد کی باد سموم چل رہی تھی اور بدعتوں کے صاعقے گر گر کے کشت ایمان کو جلا رہے تھے۔ اور فسق و فجور کے سیلاب طوفان نوح کی طرح اسلامی بیڑے کو تباہ کر رہے تھے کہ یہ ناخدائے سفینۂ ملت خدا کا نام لے کے حفاظت شریعت کے لئے

اٹھ کھڑا ہوا اور کمر ہمت مستحکم باندھ کے یہ قصد کر لیا کہ جان جائے مگر شجر ایمان سرسبز و شاداب ہو کے رہے تبلیغ اسلام میں کوششیں کیں۔ ہدایت خلق میں اپنے نفس کو نفس نہ سمجھے شب و روز کے تمام اوقات اپنے دین خدا اور شریعت اسلام کی حمایت میں صرف کئے۔ جب نیت خالص ہوتی ہے تو خدا کوشش میں برکت عطا کرتا ہے۔ ایک حد تک بلکہ بہت زیادہ اپنے مساعی میں کامیاب ہوئے اور دین خدا کا پرچم فضائے ہند پر لہرانے لگا۔ کب اسلام حقیقی ہند میں تھا اور کون نماز جماعت کو جانتا تھا اور کون اپنے عقائد ضروریہ سے واقف تھا۔ کچھ بھی نہ تھا ایک تاریکی تھی جو جہالت کی گھنگھور گھٹا کی طرح افق ہدایت پر چھائی ہوئی تھی۔ اس نور خدا نے ظاہر ہو کے اپنی خداداد ہدایت کی شعاؤں سے اس تاریکی کو دفع کیا۔ مختلف طریقے ہدایت کے اختیار کئے۔ قانون الٰہی (قرآن مجید) اور احادیث رسولؐ کے تعلیمات کو اپنا دستور العمل بنائے ہوئے ہدایت خلق کی اور صفحہ ہندوستان پر ایمانداری کے نقش کو ابھار دیا خود ایک موقع پر اپنے مساعی جمیلہ اور تبلیغی کوششوں کا خاکہ یوں کھینچا ہے۔

''میں نے اپنی کوششیں اظہار مشاعر اسلام میں صرف کیں اور سر و اعلان میں عقائد حقہ کی طرف دعوت دی۔ کبھی میں نے ان کو دعوت دی اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور موعظۂ حسنہ سے نبی و ائمہ کی تاسی میں (**ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنه**) اور کبھی مجادلہ کیا امر اقدس الٰہی کے لئے (**وجادلهم بالتي هي احسن**) تو خدا کا شکر جس نے میرے بوئے ہوئے درخت میں نمو عطا کیا اور اس کا ثمرہ اپنے حد کمال تک پہونچا اور میوہ اس کا تیار ہوا۔ اسلام اپنی مخصوص ادا میں ظاہر ہو گیا اور عقائد حقہ کا باغ اپنی شادابی پر آ گیا وہ دین کے قصر جو کفر و الحاد کی آندھیوں سے بیٹھ گئے تھے وہ گرنے کے بعد پھر از سر نو تعمیر ہو گئے۔ اکثر اہل ایمان ضروریات مذہب و دین سے واقف ہو گئے بعد اس کے وہ جاہل تھے اور انہوں نے مذاہب فاسدہ کو ترک کر دیا بعد اس کے وہ ان ہی مذاہب کے اہل میں مندرج تھے لیکن بعد اس کے بھی ضلالت اور گمراہی بعض کور باطنوں کے دلوں میں باقی رہ گئی اور وہ اپنے ہدایت و اصلاح کے راستوں پر نہ آنا تھے نہ آئے۔ **فهم مصداق الذين دعوتهم ليلا و نهارا فلم يزدهم دعائی الا فوادا**''۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

اتنی جانفشانی کی اقامت اسلام میں اور احیائے شریعت میں کہ مورخین کو لقب میں لکھنا پڑتا ہے۔

الذی احيى الدين فی ديار الهند و طمس آثار البدعة والجاهلية (شذوذ العقیان) اور اہل قلم تذکرہ میں یوں لکھتے ہیں ''**فاستوى على عرش الهدايه والا مامة وكان جدار الشريعة يريد ان انقض فاقامه، به استنار الدين فی اصقاع هذه البقاع و شاع الشرع المبين فی هذه الرباع وذاع بعد ما**

ضاع بل لم یکن یقرع الا احاع و قد اصبح الیوم تبائیدہ کحصون محکمة القلاع او کشخص عبیل الرزاع اوکزرع أخرج شطاء ہ فازرہ فاستغلظ فاستویٰ علی سوقہ یعجب الزراع اقتدیٰ اهل الهند بصلواته و صومه و هذه عادة اللّٰہ فی الدهر اول یومه کما قال" وما أرسلنامن رسول الا بلسان قومه" فقام به عماد الاسلام و سل ذو الفقار والصوارم وحسام علی هام المردة الخصام ولولاہ لمااخضر عود الشرائع والأحکام

(دیکھواوراق الذہب علامہ شوشتری)

ترجمہ: سریر ہدایت و امامت پر جلوہ افروز ہوئے جدار شریعت قریب تھا کہ گر جائے اس کو قائم کر دیا انہیں سے دین کی روشنی ان بلاد کے اطراف میں پھیلی اور شریعت ان اماکن میں شائع ہوئی اور وہ منتشر مشہور ہوگئی بعد اس کے ضائع ہوگئی تھی بلکہ سنائی بھی نہ دیتی تھی۔ اور آج ان جناب کی حمایت سے وہ مضبوط قلعوں کے مثل بلکہ ایک قوی بازو شخص کی طرح بلکہ اس زراعت کی سی ہو گئی ہے کہ جو اگی اور اپنی اصل پر قائم ہو کے اتنی بہار کے اوپر ہے کہ زارعین کو تعجب میں ڈال دیتی ہے۔ اہل ہند نے ان کے عبادات کی اقتدا کی اور یہی عادت ہے خدا کی اول دہر سے جیسا کہ خود فرمایا ہے کہ ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں (اسی طرح اہل ہند کی طرف خدا نے ان ہی میں سے ایک رہبر بھیجا) ان جناب کے دم سے عماد الاسلام قائم ہوا اور انہوں ذو الفقار، صوارم وحسام (جناب غفرانمآبؒ کے مصنفات کے نام ہیں) سروں پر مخالفین کے کھینچی اور اگر یہ ذات نہ ہوتی تو شرائع کی شاخیں سرسبز وشاداب نہ ہوتیں۔

شہید ثالث اور جناب غفرانمآبؒ

ہمارے اتنے بیان سے ناظرین کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ہندوستان میں یہ ہدایت کے صاف وشیریں چشمے جو اس وقت جاری ہیں اسی قلزم ہدایت کے شعبے ہیں اور یہ ایمان کی ضیا جو پھیلی ہوئی ہے اسی آفتاب کمال کی کرن ہے اور اساس ہدایت کا قائم کرنے والا ان اطراف میں یہی باہمت شخص ہے لیکن بعض لوگ یہ غلط فہمی پھیلانا چاہتے ہیں کہ ہدایت کا چراغ روشن کرنے والے اور مخالفین ایمان کی سرکوبی کا سہرا غفرانمآبؒ کے سر نہیں بلکہ نور اللہ علامہ شوشتری شہید ثالث طاب ثراہ جن کا مزار مقدس آگرہ میں ہے پہلے سے ہندوستان کو ہدایت کے راستہ پر لگا چکے تھے۔ یہ خیال یقینا ایسا ہے جس سے غفرانمآبؒ سے محسن اسلام کی کوششوں پر ایک حد تک پانی پھر جاتا ہے، ہم کسی بات کو بے دلیل کے مان لینے پر مجبور نہیں کرنا چاہتے اور نہ خود مانتے ہیں لیکن انصاف کے سامنے ہر وقت سر جھکانے پر آمادہ ہیں۔

ہم اس موقع پر ایک مختصر تذکرہ جو لب لباب ہے شہید ثالثؒ کے ان حالات کا جو کتب تاریخ میں ہماری نظر سے گزرے ہیں حوالۂ قلم کرتے ہیں جس سے قارئین کرام اس خیال کو اچھی طرح عقل کی کسوٹی پر جانچ لیں گے اور یہ اجمالی تذکرہ لکھنے کے بعد جو کچھ ہمیں لکھنا

ہے وہ لکھیں گے۔

شہید ثالثؒ کی شوشتر میں ولادت ہوئی تھی اور ابتدائے تعلیم اپنے ہی بلاد میں حاصل کی اور حد تکمیل تک پہونچے ایران میں بھی کچھ زمانہ تک وہاں کے علماء سے تحصیل علم و کمال کی تھی ۹۹۵ھ میں وارد ہندوستان ہوئے اکبر کا زمانہ تھا جو سلاطین مغلیہ کی تاریخ ذوق علم و فضل کی حیثیت سے ایک سنہرا زمانہ ہے سلطنت مخالف مذہب امامیہ تھی لیکن زیادہ متعصب نہ تھی اکبر کا باپ ہمایوں ایک عرصہ تک ایران میں رہا تھا جس کی وجہ سے تعصب مذہبی شیعوں سے کم ہوگیا تھا اسی کا اتنا اثر تھا کہ علامہ نور اللہ شوشتری کا دربار اکبری میں گزر ہوگیا۔ اکبر اہل کمال کا خاص طور سے قدر دان تھا عام اس سے کہ وہ کسی مذہب و ملت کے ہوں اسی حیثیت سے اس نے علامہ مغفور کے احترام میں خاص دلچسپی لی یہاں تک کہ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر معین کیا اس موقع پر اتنا لکھنا ضروری ہے کہ سلطنت تو حنفی تھی پھر ایک سنی بادشاہ کے عہدۂ قضا پر ایک شیعہ عالم کیونکر معین ہوا اس کے متعلق جو کچھ اہل تاریخ کے کلام سے منکشف ہوتا ہے وہ یہ کہ بادشاہ نے علامہ ممدوح سے یہ عہد لینا چاہا کہ آپ مذہب حنفی کے بنا پر فتوے دیجئے گا۔ شہید شوشتری نے فرمایا کہ میں کسی ایک مذہب کا پابند ہو کر فتویٰ نہ دوں گا۔ بلکہ مذاہب اربعۂ اہلسنت سے کسی ایک مذہب کے مطابق میرا فتویٰ ضرور ہوگا۔ بادشاہ نے اس کو منظور کیا۔ علامہ ممدوح مذاہب اہلسنت سے خاص واقفیت رکھتے تھے چنانچہ ہر فتویٰ مذہب اہل بیت کے مطابق دیتے تھے اور جب کوئی اعتراض ہوتا تھا تو کسی نہ کسی مذہب سے مذاہب اربعہ میں سے مطابق کر دیتے تھے۔

کرامات وخوارق عادات

صفائے قلب و ازدیاد روحانیت بڑھتے بڑھتے کبھی اس حد تک پہونچتی ہے کہ خداوند عالم اس شخص کو صاحب کرامات کر دیتا ہے۔ کرامت بھی خلاف عادت امر کا نام ہے جس کسی عالم یا مومن کامل کے لیئے ظاہر ہو لیکن معجزہ و کرامت میں فرق یہ ہے کہ معجزہ کسی دعویٰ نبوت یا امامت کی تصدیق میں ہوتا ہے اور کرامت کسی دعوے کے اثبات میں نہیں ہوتی دوسرے یہ کہ معجزہ کے ساتھ ساتھ تحدی ہوتی ہے یعنی کوئی اس کا معارضہ نہیں کر سکتا اور کرامت کے ساتھ ایسا نہیں۔ اس لحاظ سے معجزہ مخصوص ہے نبی و امام کے ساتھ اور کرامت نبی و امام سے مخصوص نہیں ہے۔ کتب رجال سیر پر نظر کرنے والے واقف ہیں کہ ہمارے علماء اعلام میں بہت سی فردیں ایسی گذری ہیں کہ جو مظہر کرامات وخوارق عادات ہیں اگر اجمالاً ان کا تذکرہ حوالۂ قلم کیا جائے تو طول کلام کا خوف ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اس کی نظیریں علماء سلف میں ملتی ہیں علامۂ کلینیؒ کے انتقال سے آسمان کے ستاروں میں تہلکہ پڑ جانا اور سید رضیؒ کا جناب علم الہدیٰؒ کے مافی الضمیر پر واقف ہوجانا اور مقدس اردبیلیؒ کے لئے روضۂ امیر المومنین میں لگے ہوئے قفلوں کا کھل جانا اور دروازوں کا وا ہوجانا وسیع النظر اصحاب پر مخفی نہیں ہے اور خود جناب

غفرانمآبؒ کے استاد جناب بحر العلوم سید مہدی طباطبائیؒ کے کرامات تو اس حد پر تھے کہ مصنفین ان کے لقب میں لکھتے ہیں ۔ **صاحب الکرامات الظاھرۃ و خوارق العادات الباھرۃ** ۔ پھر اگر جناب غفرانمآبؒ کو بارگاہ احدیت سے یہ مرتبہ عطا ہوا تو کون سا محل استعجاب ہے حالانکہ یہ وہ ذات تھی جس نے خدمات دینیہ میں اپنی راحتوں سے ہاتھ اٹھایا، اہل وعیال سے جدائی اختیار کی غریب الوطنی کے مصائب کو برداشت کیا خدا کی راہ میں اپنے نفس کو نفس نہ سمجھے پھر خداوند عالم کا مقربین میں داخل کر کے مظہر کرامات کر دینا کیا قابل انکار ہو سکتا ہے۔

بلکہ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ وہ ذات تھی جس کو جناب احدیت نے ابتدائے عمر ہی سے فیوض و برکات کے لئے منتخب کر لیا تھا اور اول عمر ہی سے اس پر نظر رحمت الٰہی متوجہ تھی وقت ولادت گھر کا روشن و منور ہو جانا اور کم سنی ہی میں درخت کے نیچے صدائے ہاتف غیب کو سننا کیا کرامات میں مندرج ہونے کے قابل نہیں؟ ہم ان دونوں واقعوں کو ابتدائی صفحات میں زیب دہ نگاہ ناظرین کر چکے ہیں ۔اور بعد انتقال کے جو بعض کرامات ظاہر ہوئے ہیں ان کو انشاء اللہ اگر حیات مستعار باقی ہے تو تلامذہ کے حالات لکھتے ہوئے جناب علامۃ العلماء مولانا سید احمد علی محمد آبادی کے تذکرے میں لکھیں گے۔ اس موقع پر صرف ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں جناب بحر العلوم مولانا علّن صاحب قبلہ نے اس واقعہ کو اپنے والد علام، جناب ملک العلماء طاب ثراہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے والد ماجد سلطان العلماء رضوانمآب طاب ثراہ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ جناب غفرانمآبؒ اپنے وطن مالوف نصیر آباد تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ میں تھا اور جناب کے شاگرد رشید فاضل جلیل مرزا محمد خلیلؒ تھے وہیں قصبہ کا ذکر ہے کہ جناب غفرانمآبؒ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوئے تھے اور میں اور مرزا خلیل کہیں سے اس طرف گذرے کہ مرزا خلیل نے مجھ سے کہا کہ زرا درخت کی جانب دیکھئے میں نے بنظر غائر درخت کی طرف جو دیکھا تو یہ نظر آیا کہ جناب غفرانمآبؒ کی پیشانی سے ایک نور ساطع ہے اور اس کی چھوٹ درخت کے پتوں پر پڑتی ہے جس کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ برگ اس درخت کے زبرجد خضر کے ہیں یہ تھا نور علم اور ضیائے خداداد و فضل جس کی چھوٹ پیشانی سے ظاہر ہو کے درخت پر پڑ رہی تھی ناظرین متوجہ ہوں گے کہ امیر المومنینؑ کا لقب ہے ۔ **قائد الغر المحجلین** اس کی توضیح میں معصوم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اہل ایمان کے اعضاء ضوء دیتے ہوں گے۔ اس حدیث میں ذکر روز حشر کا ہے لیکن تقرب ایزدی اور عبادت الٰہی کا کمال ہے کہ دنیا ہی میں پیشانی چمک دینے لگے یقیناً یہ واقعہ جناب غفرانمآبؒ کے منتہائے جلالت قدر پر دلالت کرتا ہے۔

تصانیف شریفہ

اب ہم فہرست تصانیف شروع کرتے ہیں جن کی تعداد تیس سے کم نہیں ہے اور انہیں میں بعض وہ کتابیں بھی ہیں جن کے بسط نے ایک جلد پر ختم ہونے نہیں دیا ہے بلکہ کئی کئی جلدیں ہیں یقیناً یہ سرمایۂ

تصنیف کم نہیں ہے مگر باوجود اس کے جناب غفرانمآبؒ کی ہمت اس سے راضی نہیں ہے اور صاحب ہمت افراد کا قاعدہ ہے کہ جتنا بڑا کام کرتے وہ اس کو کم ہی سمجھتے ہیں ایک موقع پر جناب غفرانمآبؒ اپنے بعض تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ لاشبھة فی انی اقل تصنیف بنسبة علمائنا الکرام و شیوخنا الفحام رضوان الله علیهم ولذٰلک التقصیر اسباب و معاذیر لو حاولنا بیانها خرج الکلام عن الاقتصاد و طال التحریر۔ اس میں شبہہ نہیں کہ میں بہ نسبت علمائے سابقین اور بزرگان دین کے قلیل التصانیف ہوں اور اس قصور کے بہت سے وجوہ اور اعذار ہیں کہ ہم اگر اس کے بیان کا قصد کریں تو کلام دائرۂ اختصار سے نکل جائے اور طویل ہو جائے۔

کذالک أرباب الدیانة والهدیٰ
لتستغفرون حین لیس لهم ذنبی

اچھا اب ہم تصانیف کے نام پیشکش ناظرین کرتے ہیں:۔

(۱) عماد الاسلام

یہ کتاب سرتاج تصانیف کہے جانے کے قابل ہے اہل علم و فضل کا اتفاق ہے کہ اس مطلب پر کہ دسویں صدی ہجری کے بعد سے بلکہ اس کے قبل سے ایسی کتاب علم کلام میں تصنیف نہیں ہوئی۔ شبہات مخالفین کا قلع و قمع کر دیا اور فلاسفہ کے خیالات کا باطل ہونا کالشمس علی شاهق الطور واضح و آشکار کر دیا اور ان کے مضبوط ادلہ کو توڑ کے تار عنکبوت سے زیادہ موہوم ثابت کر دیا۔ اصلی نام مرأة العقول ہے جس کی وجہ تسمیہ خود یہ لکھی ہے کہ درحقیقت یہ کتاب آئینہ جلوہ نما ہے اختلاف مذاہب کا اور جس طرح انسان آئینہ کو اپنے سامنے رکھ کے اپنے خط و خال اور حسن و خوبی یا بدصورتی کو مشاہدہ کر سکتا ہے اور اپنے عیب و سقم پر نظر کر سکتا ہے اور اپنی صورت کو آراستہ کرتا ہے اگر بال سر کے پریشاں ہیں تو ان کو درست کرتا ہے، زینت کرتا ہے اسی طرح اس کتاب کو دیکھ کے ایک شخص اپنے مذہب کے تمام عیوب و نقائص کو دور کر سکتا ہے اور اپنے دین کو ہر طرح مکمل و آراستہ کر سکتا ہے، اپنے بکھرے ہوئے شیرازۂ مذہب کو جمع کر سکتا ہے لہٰذا مرأة العقول نام رکھا اور چونکہ اس نے اسلام کی ہلتی ہوئی بنیادوں کو مضبوط کر دیا اس وجہ سے عماد الاسلام لقب ہوا۔

نہایت العقول امام اشاعرہ فخر الدین رازی کی رد میں تحریر فرمائی ہے لیکن صرف فخر رازی کی رد نہیں کی ہے بلکہ جتنے ہم خیال ان کے ہوں سب کے اقوال کی کافی رد فرمائی ہے فخر رازی نے نہایۃ العقول میں اپنی کتاب پر ناز کیا ہے اور کہا ہے کہ میری کتاب نہایۃ العقول تمام ان کتابوں سے جو علم کلام میں لکھی گئیں ہیں کئی وجہ سے ممتاز ہے۔ پہلے یہ کہ میں نے سوال و جواب میں جو حق تنقیح تھا اس کو ادا کر دیا ہے اور دیگر مذاہب کی جانب سے شبہات اس طرح وارد کئے ہیں کہ ہر مذہب والے کو میری کتاب ان کتابوں سے زیادہ فائدہ رساں ثابت ہوگی کہ جو خود اسی کے اہل مذہب نے لکھی ہیں اس لئے کہ ہر مذہب کے

استدلال کو میں نے قوت کے ساتھ وارد کیا ہے حتیٰ کہ اگر میں نے کسی مذہب کے ادلہ کو اتنا کمزور پایا کہ جو قابل التفات بھی نہیں تو وہ اپنی فکر سے ادلہ کا استنباط کر کے اس کو تحریر کیا ہے کہ اس سے زیادہ اس مذہب کی نصرت میں کیا نہیں جا سکتا یہ اور بات ہے کہ ہم نے تمام مذاہب کی رد کر دی اور ہر ایک کی دلیل کو ضعیف ثابت کر دیا سوائے اس مذہب کے جس کو اہلسنت والجماعت نے اختیار کیا ہے اور ہم بادلہ و براہین یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ یہی مذہب قابل اتباع ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ ادلہ میں نے اس کتاب میں لکھے ہیں کہ جو دل میں بیٹھ جاتے ہیں اور جن سے علم و یقین حاصل ہو جاتا ہے نہ صرف الزامات کہ جس کا نتیجہ سوائے دشمن کے ساکت کر دینے کے کچھ نہیں ہوتا۔ تیسرے یہ کہ اس کتاب کی ترتیب اتنی متقن اور عمدہ ہے کہ کسی جگہ حشو و اطناب اور بے فائدہ کلام نہیں آنے دیا ہے۔ اس کتاب کی قدر اس وقت ہو سکتی ہے جب کوئی شخص تمام علمائے موافق و مخالف کا کلام دیکھے ہوئے ہو اس وقت اس کے مطالب اس کے ذہن میں آئیں گے۔ یہ ملخص کلام فخر رازی تھا۔ جناب غفرانمآبؒ نے اس کلام کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ فخر رازی نے جو کچھ کہا ہے اس لئے کہ ہم کو تمام کتب کلام میں خواہ وہ عامہ کے ہوں یا خاصہ کے اس کتاب کا مثل نہیں ملا اسی وجہ سے ہم نے تمام کتب کلام میں سے اسی کو رد کے لئے منتخب کیا اور میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اسی طرح میری کتاب عماد الاسلام بھی بے نظیر ہے بلکہ اس میں ان خوبیوں کے علاوہ جن کا ذکر فخر رازی نے کیا ہے کچھ اور خوبیاں بھی ہیں کیونکہ جن جن مقامات پر فخر رازی نے خلاف مسلک اہلبیتؑ راستہ اختیار کیا ہے میں نے پوری عبارت اس کی من و عن نقل کر دی ہے اور پھر ہر فقرے کا جواب دیا ہے۔ واضح کر دیا ہے کہ جو کچھ اس نے کہا ہے سب تعصب و عناد پر مبنی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں نے اس عقلیہ کے بعد شاہد میں ادلہ نقلیہ بھی پیش کئے ہیں اور منتہیٰ الکلام اکثر مقامات پر اس سے خالی ہے۔ تیسرے یہ جن جن مقامات پر منتہیٰ الکلام میں بعض مسائل عدالت و امامت فروگذاشت تھی اور مذکور نہ تھے وہاں میں نے اور کتب اہلسنت سے ادلہ نقل کر کے اس کی کافی ردّ کی ہے اور اس کی قدر اس کو ہو سکتی ہے جو علم کلام میں پوری مہارت رکھتا ہو۔

اگر چہ اصلی مطمح نظر جناب غفرانمآبؒ طاب ثراہ کا اس کتاب میں نہایت العقول علامہ فخر رازی کی رد ہے مگر در حقیقت یہ کتاب وہ شمشیر صاعقہ بار ہے کہ جو تمام مخالفین کے لئے یکساں شکست دینے والی ہے۔ اکثر مقامات پر فلاسفہ نے جو مسائل اصول دین میں لغزشیں کیں ہیں ان کا کافی جواب دیا ہے اور متکلمین کے مسلک کو بدلائل قاطعہ ثابت کیا ہے۔ اسی سے متاثر ہو کے عمدۃ الحکماء سید مرتضیٰ نونہروی فلسفی نے فلاسفہ کی حمایت میں کچھ عرصہ ہوا ایک کتاب معراج العقول کے نام سے لکھی جس میں اکثر مقامات پر علامۃ المتکلمین صاحب عماد الاسلام کے کلام کی جانب ناظر ہیں اور جن جن مقامات پر ان جناب نے فلاسفہ کے قول کا بطلان ثابت کیا ہے اس کو

بزعم خود رد کیا ہے لیکن اہل عقل سمجھ سکتے ہیں۔ابن الثریا من الثوی و ابن الذهب من الرغام۔ جناب والد علام ممتاز العلماء مدظلہ نے اس کتاب پر قلم کو حرکت دی تھی اور ایک معتد بہ مقدار اس کی ہوگئی تھی جس کے دیکھنے کے بعد انصاف پسند ناظر کی نگاہ میں وہ شبہات تار عنکبوت سے بھی زیادہ بے وقعت ثابت ہوتے مگر افسوس ہے کہ زمانہ کسی مقصد کو پورا ہونے نہیں دیتا۔

لکل شئیی آفة و للعلم آفات۔ موانع ہوئے اس کے تمام تک پہونچنے میں اور جتنی مقدار جزء تصنیف میں آچکی اس کی بھی اشاعت نہ ہوسکی ورنہ وہ کتاب جوہر فرد ثابت ہوتی اور نادر الدہر و یتیم العصر سمجھنے کے قابل تھی ۔سب سے زائد جس چیز نے صاحب معراج العقول کو اس امر پر دعوت دی وہ ان کا حسن ظن تھا جو ارباب تصوف کے متعلق ہے اور جناب غفرانمآبؒ طاب ثراہ نے بہت زور میں اہل تصوف کی تکفیر کی ہے جیسے محدث اکبر علامہ ملا محمد باقر مجلسیؒ نے بھی صوفیہ کی تکفیر کی ہے اور مصنف معراج العقول کو ان سے بھی شکایت ہے حالانکہ اگر کوئی شخص اہل تصوف کے اقوال و افعال پر نظر ڈالے تو اس مطلب میں شبہہ باقی نہیں رہ سکتا۔مثنوی مولوی معنوی بایزید بسطامی کا ایک واقعہ ہے چند شعر اس کے دلچسپی اور توسیع معلومات ناظرین کے لئے پیشکش انظار ہیں۔ ؎

با مرید اں آں فقیر محتشم
بایزید آمد کہ یک یزداں منم
گفت ایشاں را میاں آں ذوفنوں
لا اله الا انا ها فاعبدون
چوں گذشت آں آں گفتند صباح
تو چنیں گفتی و آں نبود صلاح

اور مشہور صوفی فرید الدین عطا کے شعر ہیں کہ ؎

خود پیمبر شد و پیام آورد
گشت خود کافر نمود انکار
خود کند ساز گناہ کہ ہست
خود کند باز توبہ استغفار

مبدء فواتح میں سید شریف سے نقل کیا ہے کہ ایک متکلم اور ایک صوفی میں مناظرہ ہوا متکلم نے کہا کہ اس خدا سے بیزار ہوں جو سگ و خوک کے اندر ظاہر ہوا۔ یہ سن کے صوفی نے سمجھا کہ میں اس خدا سے بیزار ہوں کہ جو سگ و خوک میں ظاہر نہ ہوا۔ یقیناً اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ یہ اقوال توحید شکن اور کافر ساز ہیں اور کوئی تاویل ان کی ایسی جو نظر عقل میں باوقار ہوسکے نہیں ہے معاف فرمائیں گے ناظرین سلسلۂ کلام فائدہ سے خالی نہ تھا۔

یہ کتاب جناب غفرانمآب طاب ثراہ نے اپنے دوست صادق اور شاگرد رشید اور فاضل جلیل طاب ثراہ کے صدمۂ انتقال سے متاثر ہوکر لکھی تھی ۔ چنانچہ دیباچۂ کتاب اس کا مشعر ہے۔ممکن ہے کہ فاضل موصوف کے تذکرہ میں ہم اس کے متعلق کچھ تفصیل سے کلام کریں۔

یہ کتاب اتنی مشہور و معروف اور دجنائے علم میں اتنی معزز تھی کہ مشاہیر علمائے عراق اور اساطین کملائے عتبات عالیات تک اس کا آوازۂ افادات پہونچا

ہوا تھا اور وہ اس کتاب کے علاوہ دیگر تصانیف جناب غفرانمآب طاب ثراہ کے کمال مشتاق و آرزومند مطالعہ تھے۔

بعد جناب غفرانمآبؒ کے زمان سابق میں یہ کتاب منتہی طلبہ کے لئے نصاب درس میں داخل تھی اور جناب ممتاز العلماء جنت مآب طاب ثراہ اپنے عہد میں اس کتاب کے پڑھانے میں خاص شہرت رکھتے تھے اور افاضل علمائے کرام ان کی خدمت میں درس حاصل کرتے تھے۔

یہ کتاب پانچ جلدوں پر مشتمل ہے پہلی جلد توحید دوسری عدل، تیسری نبوت، چوتھی امامت، پانچویں معاد۔ پہلی جلد اسکی ۱۳۱۹ھ میں اور دوسری اور تیسری جلد ۱۳۲۰ھ میں سرکار قدوۃ العلماء مدظلہ العالی کی سعی بلیغ سے چھپ کر شائع ہوچکی ہے۔ مگر افسوس کہ باب امامت کے چھپنے کے ابھی تک اسباب مہیا نہ ہوئے۔ قوم کی بے توجہی یقینا قابل شکایت ہے کہ ایسے ایسے جواہر علمیہ گوشۂ خمول میں رہ جائیں اور علم جو نگاہیں ان سے مستفیض نہ ہو سکیں۔

اب اس کتاب کی جلد توحید لکھنؤ یونیورسٹی کے نصاب درجۂ فاضل معقولات میں داخل ہے اور جلد عدل و نبوت مدرسۃ الواعظین کے نصاب تعلیم میں مقرر ہے۔

(۲) شہاب ثاقب

چونکہ اس زمانہ میں اہل ہندوستان کے دل ودماغ میں اکثر مذاق تصوف زیادہ پایا جاتا تھا اور صوفیت کا دور دورہ بھی داعی ہوا۔ جناب غفرانمآبؒ نے یہ کتاب صوفیہ کی رد میں تحریر فرمائی تھی خصوصا ان صوفیہ کے ابطال میں کہ جو وحدت وجود کے قائل ہیں۔ اور واقعی یہ کتاب بھی بے نظیر ہے اور بے مثل مباحث و اشارات کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے ۱۲۶۰ھ میں اس کتاب کا ایک نسخہ جناب شیخ محمد حسن نجفی صاحب جواہر کے پاس پہونچا چنانچہ ایک خط میں جس کی اصل تحریر اس وقت خوش قسمتی سے میرے پیش نظر ہے جناب سید العلماء کو تحریر فرماتے ہیں۔

ثم لیکن معلوم مسلم ان من نعم الباری التی نخل عن الاحصاء ان من علینا و علی جمیع العلماء وسائر الفقهاء الفضلاء بها لم نزب العیون الیه طامحة والنواظر شاخصة لم نزل نحن و هم مرتقبون لوصوله ارتقاب المجدب قطر السماء اذا السقیم الشفاء من ارسال ما اوعد ممنونا به من تصنیف فخر العلماء وزبدة الفضلاء اعلاهم شأنا و اوضحهم برهانا و ان جاء أخرهم زمانا فقد سبق المثل السائرکم توزو الاول الاخر جناب المرحوم المغفور الوالد العلامة نور الله مضجعه ومرقده الموسوم بالشهاب الثاقب ولعمری هذه مهة شهاب علی من عائد وکفر وثاقب بنظر مادق علی اهل الکفر فاکتحلت ابصارنا باثمره و من الله علمیا به من عنده ولا عجب فهو من نتائج افکار الفاضل المنجر شمس علوم الاسلام وبرر صحائف الاحکام العقل المجرد و المدرک

مادناء العقول من لطائف المنقول و دقائق القول نور عین الشریعة و عین انسانها و عماد الشیعة فی احکامها او ادیانها مصباح ارشاد العلماء و مفتاح مفضل اشکل بنیانه علی الفقهاء ذی التحریر الذی هو ذکری کل فقید و التصنیف الذی فیه تبصره کل فاضل بینه غیث الانام و مروج الاحکام انا اللہ علی مرتبته سحاب الرضوان و اسکنه فرادیس الجنان۔

لکھتے ہیں ۔ اول جناب باری کی نعمتوں میں سے کہ جن کا شمار نہیں ہوسکتا وہ احسان ہے اس کا کہ جو اس نے ہم پر اور تمام علماء فقہاء پر کیا ہے اس امر کے ساتھ جس کی طرف ہم چشم براہ تھے۔

(۳) منتہی الافکار

اصول کی اعلیٰ ترین کتاب ہے اور بے نظیر تحقیقات و تدقیقات پر مشتمل ہے۔ داعی تصنیف کا یہ تھا کہ اسی زمانہ میں کتاب قوانین جناب محقق ابوالقاسم قمی کی آئی تھی جو واقعی اصول فقہ کے اعلیٰ ذخیرۂ معلومات پر مشتمل ہے ۔ جناب غفرانمآبؒ نے اس کا مطالعہ کیا اور تدریس و مباحثہ شروع کیا تو اکثر تحقیقات جناب محقق سے آپ کی نظر مساعدت نہ کرتی تھی لہٰذا آپ نے حواشی اس کتاب پر جابجا تحریر فرمانا شروع کئے مگر جب دیکھا کہ اختلاف کے مقامات حد سے متجاوز ہو گئے اور اس درجہ تک پہونچ گئے کہ حواشی ان کے متحمل نہیں ہوسکتے تو ایک مستقل کتاب اصول کی تصنیف کا خیال ہوا جس میں اپنے معاصر علام محقق قمی کے کلام پر تنقیدی نظر سے کام لیا چنانچہ یہی کتاب منتہی الافکار تصنیف فرمائی لیکن اثنائے تصنیف میں جناب غفرانمآبؒ علیل ہو گئے اس وجہ سے کتاب تمام نہ ہوسکی ایک حصہ تحقیق حکم اور اقسام احکام میں اور ایک حصہ مبادی لغویہ میں تمام و کمال ہوسکا۔ یہ کتاب ۱۳۲۰ھ میں انجمن یادگار علماء کی جانب سے طبع ہو چکی ہے۔

(۴) مسکن القلوب عند فقد المحبوب

آپ کے فرزند سید عالم جلیل مولانا سید مہدی اعلی اللہ مقامہ نے ۱۲۳۱ھ میں انتقال کیا اور ایسے سعید و فائز بدرجۂ اجتہاد جوان فرزند کے غم نے جناب پر یہ اثر کیا کہ راتوں کی نیند اڑ گئی اور دن کی راحت جاتی رہی اور زندگی مکروہ معلوم ہونے لگی تو اسی زمانہ میں جناب شہید ثانیؒ کے رسالہ **مسکن الفواد عند فقد الاحبة و الاولاد** کا مطالعہ کیا تو اس میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ بعض مقامات پر شہید ثانیؒ نے مسامحۃ مذہب صواب کے نامناسب اور بعض علمائے مخالفین کے موافق مطالب تحریر کئے ہیں لہٰذا اپنے دل کی تسکین کے لئے اور ہر مصیبت زدہ کی تسلی کے لئے یہ کتاب تحریر فرمائی اور جا بجا ان مقامات پر بھی تنبیہ فرمادی کہ جہاں جناب شہید ثانیؒ نے مقتضائے دلیل کے خلاف تحریر فرمادیا ہے۔ افسوس ہے کہ کتاب طبع نہیں ہوئی ہے۔

(۵) رسالہ فی احکام الارضین

یہ آخر عمر میں تصنیف فرمایا تھا اور تمام اشتغالات کو اور شبہات کو جو بعض متقدمین و متاخرین کو ہوئے ہیں ادلہ و براہین کے ساتھ حل کیا ہے اور فاضل

خراسانی اور محدث شیخ یوسف بحرینی کے کلام سے بہت زیادہ تعرض فرمایا ہے۔

(۶) رسالہ فی رد نصاریٰ

جب مذہب نصاریٰ کا زور آپ کے عہد میں زیادہ بڑھا اور انجیل و توریت کے مختلف ترجمہ اور جدید کتب طبع ہو کر آنے لگے تو پہلے تو جناب نے کتاب عماد الاسلام ہی کے باب نبوت کی طرف توجہ فرمائی اور باب بشارات میں جو کچھ نقص و ابرام موافق زمانہ تھا اس کو اضافہ فرما دیا۔ اس کے بعد مستقل رسالہ لکھنا شروع کیا جو ایک حد تک پہونچ گیا تھا۔ مگر اتمام کو نہ پہونچ سکا۔

(۷) شرح باب صوم حدیقۃ المتقین

جناب علامہ ملا محمد تقی مجلسیؒ کی مشہور کتاب حدیقۃ المتقین کی فارسی شرح تحریر فرمائی جس میں مسائل فقہیہ کو اجتہادی عنوان سے تحریر فرمایا ہے اور اختلافی مسائل کو اقوال علماء اور بیان حق کے ساتھ بادلہ و براہین تفصیلاً تحریر کیا ہے یہ کتاب غیر مطبوع ہے خوش قسمتی سے خود جناب مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی میرے پیش نظر ہے اس کے آخر میں یہ عبارت موجود ہے:۔

ویمناہ الوازرۃ الداثرۃ مصنف الکتاب العبد الضعیف المفتقر الی اللہ الغنی السید علی المدعو بالسید دلدار علی ابن محمد معین الھندی النصیر آبادی نصرھما اللہ یوم الدین بحرمہ النبی والمعصومین صلوات اللہ علیھم اجمعین۔

(۸) شرح باب زکوٰۃ حدیقۃ المتقین

یہ بھی مثل کتاب سابق کے ایک مستقل کتاب ہے اس عنوان پر کہ جس طرح باب صوم کی شرح تحریر فرمائی تھی اور یہ بھی غیر مطبوع ہے۔ اس کتاب کے متعلق خود جناب غفرانمآبؒ نے تحریر فرمایا ہے:

ھو اول مصنفاتی التی قد اشتھرت بین الناس والا فکلما کتبت من الرسائل والتعلیقات قبل ذلک فما نسج علیھا عنا کب النسیان فطارت بھا العنقاء۔ یہ میری پہلی تصنیف ہے جو مشہور ہوئی ورنہ اس کے قبل جو کچھ رسالہ یا حواشی لکھے وہ گمنامی کی حالت میں اور گوشۂ خط کے اندر رہے۔

(۹) شرح باب طہارت حدیقۃ المتقین

ان ہی دونوں کتابوں کی شان پر باب طہارت کی بھی شرح شروع کی تھی کہ جو اہم مطالب پر مشتمل تھی مگر افسوس ہے کہ تمام نہ ہوسکی اور یہ تینوں کتابیں فارسی میں تحریر فرمائی تھیں تاکہ عام فائدہ ہو مگر باب طہارت کی شرح عربی میں بھی لکھنا شروع کی تھی اس عنوان سے کہ متن کا ترجمہ عربی میں کر کے اس کی شرح کی تھی مگر یہ بھی ختم نہیں ہوئی۔

(۱۰) ذو الفقار

یہ کتاب واقعی نصرت اسلام میں ذو الفقار کہنے کے قابل ہے اور اس نے مخالف دین مصطفوی و ملت جعفری کو وہ سخت شکست دی ہے جس کے بعد انہیں کبھی مقابلہ کی ہوس نہیں ہوسکتی۔

یہ باب دوازدہم کتاب تحفۂ اثنا عشریہ مصنفہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کی رد ہے جس میں انہوں نے مسئلہ تولا و تبرا پر اپنے خیال کے موافق نظر کی تھی اور ان کے اہل ملت اس کتاب تحفۂ اثنا عشریہ کو مایۂ ناز سمجھتے تھے اور لاجواب خیال کرتے تھے اس غلط فہمی کو دفع کرنے کے لئے سب سے پہلے جناب غفرانمآبؒ طاب ثراہ نے اس کے ابواب کی رد میں حصہ لیا اور اولاً اس بارھویں باب کی رد اس عنوان سے فرمائی کہ مخالف کو جائے کلام باقی نہیں رہ سکی۔ اس زمانہ میں طبع اور چھاپہ کا عنوان کسی کتاب کی اشاعت کے لئے رائج نہ تھا لہٰذا زیادہ سے زیادہ چند نسخہ اس کے اہل ایمان نے کتابت کر کے مختلف اطراف ملک میں شائع کرادئے تاکہ غلط فہمی کا دفعیہ ہو سکے اور وہ تاریکیاں شبہات کی جو دلوں میں پھیل گئی ہوں دور ہو جائیں اور خود غفرانمآبؒ نے ایک نسخہ اس کا لکھوا کر عماد الاسلام کی کتاب عدالت کے ساتھ مصنف تحفۂ اثنا عشریہ کے پاس بھیج دیا چونکہ بحالت موجودہ کتاب اتنی محکم تھی کہ جس کا جواب مخالف کے لئے ممکن نہ تھا لہٰذا مخالفین میں سے ایک فرد شیخ فتح الدین نے جو قصبہ ہنسوہ کا جاگیردار تھا مکر و فریب سے اس کتاب کے ایک نسخہ کو حاصل کیا اور جب رد کی گنجائش نہ دیکھی تو یہ تدبیر کی کہ جابجا سے اس کی عبارت میں تحریف کی۔ کہیں پر کچھ بے محل الفاظ بڑھا دئے اور کہیں ضروری عبارت کو حذف کر دیا اور اس کو درہم برہم کر کے اس تحریف کے چند نسخہ لکھوا کے اطراف و اکناف میں مشتہر کرادئے تاکہ دیکھنے والا اس کے دلائل کو کمزور اور اس کے عبارات کو نامربوط خیال کرے اور جواب کامل بھی مل جائے لیکن حق مٹانے سے مٹ نہیں سکتا فریب کا گھروندا تار عنکبوت کی طرح ٹوٹ جاتا ہے جعلسازی کا بھید کھل کے رہتا ہے۔ اس تحریف و اختلال کی حالت بجلی کی طرح ملک میں دوڑ گئی اور تحریف کرنے والے کی مصلحت خاک میں مل کے رہ گئی۔ ۱۲۱۸ھ میں یہ کتاب عالم جلیل سید شریف حسین خاں طاب ثراہ کی سعی سے مطبع مجمع البحرین لودھیانہ میں طبع ہوئی تھی۔

(۱۱) صوارم الالہیات

یہ کتاب بھی تحفۂ اثنا عشریہ کے مبحث الٰہیات کی رد ہے جن جن مسائل کے بارے میں اسلام کے دونوں فرقوں میں اختلاف ہے اور ان کے متعلق صاحب تحفہ نے اپنے مذہبی خیال کو قوت دے کے دوسرے مذاہب کو بزعم خود باطل کیا تھا اس کا کافی جواب دیا گیا ہے۔ واقعی یہ کتاب بے نظیر ذخیرۂ فوائد ہے خود ایک موقع پر اس کتاب کا تذکرہ ان گرانقدر الفاظ میں فرماتے ہیں :-

"وھذا الکتاب لاجل اشتماله علی مباحث لطیفة و مناظرات انیقة و تدقیقات فائقة مع مطائبات رائقه مما یتشرح به صدور قوم مومنین و یغیظ الکفار الذین لایومنون بامامة الائمة الاطھار۔"

یہ کتاب ایسے مباحث لطیفہ پر مشتمل ہے اور عمدہ مناظروں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اور بلند ترین

تحقیقات کو لطائف وظرائف کے ساتھ ساتھ جگہ دئے ہوئے ہے کہ جس سے فرقہ اہل ایمان کے سینوں میں کشادگی اور انبساط پیدا ہوتا ہے اور ان منکرین کا جو امامت ائمہ طاہرین پر ایمان لائے ہوئے نہیں ہیں دم گھٹتا ہے۔

درحقیقت یہ قدرت خدا تھی کہ جناب باری نے ہندوستان کی سرزمین کو شبہات کے پھندوں سے نکالنے کے لئے اس ہادی دین کو ظاہر فرمادیا ورنہ کس میں یہ طاقت تھی کہ وہ ان حقیقت نما شبہات کو رفع کر سکتا اسی کتاب کے دیباچہ میں خود جناب غفرانمآبؒ نے اس مطلب پر روشنی ڈالی ہے۔فرماتے ہیں:۔

''چوں دریں خاک تیرہ ہندوستان بہ سبب تسلط سلاطین جور وطغیان وبعید المسافۃ بودن آں از بلاد اسلام و ایمان صنوف بدعات مستحدثہ و مذاہب باطلہ رونق تمام یافت ۔ جناب باری عز اسمہ بندۂ ذلیل خود را بتفویض منصب استیصال شبہات اہل بدع وارباب ضلال مشرف ساخت چنانچہ کتاب اساس الاصول وشہاب ثاقب وعماد الاسلام بر صدق دعوائے من گواہ و جناب عالم السر والخفیات و دلہائے مومنین اہل انصاف ازیں امر آگاہ۔وھو انما ھو امتثالا لقولہ تعالیٰ ''و اما بنعمۃ ربک فحدث''

(۱۲) حسام الاسلام

یہ کتاب اسی طرح تحفۂ اثناعشریہ کے مبحث نبوت کا جواب ہے۔

نبوت انبیاء کے متعلق جن جن مسائل میں شیعی خیالات کو مصنف تحفہ نے اپنے خیال کے موافق رد کیا تھا ان کی رد لا جواب عنوان سے فرمائی ہے۔ چونکہ ذوالفقار کے متعلق وہ حکمت عملی مخالفین کی طرف سے صرف کی جا چکی تھی کہ اس کے مضامین کو تحریف کر کے شائع کیا گیا تھا۔ لہٰذا مومنین نے اس کی ضرورت محسوس کی کہ اس کے انسداد کے لئے اس کتاب کو طبع کرادیا جائے۔ اس زمانہ تک یہ رائج چھاپہ جو اسوقت ہے نہ تھا بلکہ صرف لوہے کے حروف سے چھاپہ کلکتہ میں تھا خیر بہزار دقت ودشواری کلکتہ کے مطبع میں ۱۱۱۸ھ میں چھاپ کے دونوں کتابیں ''صوارم'' اور ''حسام'' پانچ سو کی تعداد میں شائع کر دی گئیں تاکہ کسی کو اب تحریف وخلل کی گنجائش نہ رہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اتفاق سے جس مطبع میں کہ تحفۂ اثناعشریہ طبع ہوئی تھی وہیں یہ کتاب بھی چھپی اور تحفہ تین سو کی تعداد میں چھپی تھی اور یہ کتاب بلاقصد پانچ سو کی تعداد میں شائع ہوئی جس کا لطف مذہبی نقطۂ نظر سے ظاہر ہے۔

(۱۳) خاتمۂ صوارم

یہ بھی مستقل کتاب ہے جس میں مبحث امامت کے متعلق بحث فرمائی ہے اور اکثر فوائد جو صوارم میں نظرانداز ہو گئے تھے ان کو اس میں تحریر فرمایا ہے چنانچہ اکثر مقامات پر صوارم کے حوالے بھی اسی خاتمہ میں موجود ہیں مگر کمی سرمایہ کی وجہ سے یہ کتاب صوارم کے ساتھ شائع نہ ہو سکی تھی اور نہ اب تک کسی عنوان سے طبع ہوئی۔

(۱۴) احیاالسنۃ

یہ تحفۂ اثناعشریہ کے باب معاد کی رد

ہے۔ مذہب اہلبیت کو بادلہ ثابت کر کے مخالف کے براہین کو باحسن اسلوب رد فرمایا ہے۔ یہ کتاب بھی غیر مطبوعہ ہے۔

(۱۵) رسالۂ غیبت

یہ اسی کتاب تحفہ اثنا عشریہ کے باب ہفتم کا جواب ہے اور مسئلہ امامت کے متعلق مصنف تحفہ کے خیالات کا ابطال ہے مگر افسوس ہے کہ جناب غفرانمآبؒ اس مقصد کو زمانہ کی نامساعدت کی وجہ سے پورا نہ کر سکے۔ ہاں بعض تلامذہ نے جناب کے اس باب کی مبسوط تکمیل فرمائی ہے اور اپنی کتاب ''برہان الامۃ'' میں اس ضرورت کو پورا کیا ہے۔

یہ رسالہ ۱۲۶۶ھ میں جناب زبدۃ العلماء مولانا سید علی نقی طاب ثراہ کے حسن توجہ سے طبع ہوا تھا۔

(۱٦) حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ: ملاصدرا

یہ حکمت کی مشہور کتاب کا بے نظیر حاشیہ ہے اور عجیب وغریب تحقیقات وتدقیقات کو اپنے دامن میں لئے ہوئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب غفرانمآبؒ جس طرح فقہ واصول وعلم کلام میں اعلیٰ درجہ کمال پر فائز تھے جس کے اوپر اساس الاصول اور منتہی الافکار، عماد الاسلام شاہد ہیں اسی طرح حکمت وفلسفہ میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا جس کے اوپر یہ حاشیہ شاہد ہے۔ اور اس کا اعتراف مشہور سید مرتضیٰ نونہروی غازیپوری نے اپنی مایہ ناز کتاب معراج العقول میں کیا ہے اور اس رسالہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب مشہور صاحب تصانیف منطقی وفلسفی ملاعبد الحی لکھنوی فرنگی محلی اس حاشیہ کا مطالعہ کرتے تھے تو کہتے تھے کہ غفرانمآبؒ اپنے زمانہ کے تمام معاصرین کملاء مثل ملاحسن وغیرہ ان سب سے بہتر تھے اور علوم عقلیہ میں زیادہ کمال رکھتے تھے۔

الفضل ما نطقت به الاعداء

افسوس ہے کہ یہ حاشیہ طبع نہیں ہوا۔

(۱۷) حاشیہ حمد اللہ

یہ بھی مثل پہلے کے معقولات کے اعلیٰ ذخائر کا جامع اور شرح سلم العلوم ملا حمد اللہ سندیلوی کے اوپر بہترین تعلیقات ہیں اور یقیناً اس کا حل غفرانمآبؒ سے بہتر کوئی کرنے والا بھی نہ تھا کیونکہ آپ نے اس کتاب کو خود ملا حمد اللہ کے صاحبزادے ملا حیدر علی سندیلوی سے پڑھا تھا اور اکثر علوم عقلیہ کی تحصیل مولوی باب اللہ شاگرد رشید ملا حمد اللہ سے کی تھی لہٰذا وہ رموز ونکات جو شارح نے اپنی بے نظیر عبارتوں کے اندر ودیعت کر دیئے تھے، جناب غفرانمآبؒ تک سینہ بہ سینہ پہونچے تھے۔

یہ حاشیہ تمام وکمال شائع نہیں ہوا ہے ہاں بعض تعلیقات اس کے حاشیہ پر حمد اللہ کے جو مطبع مصطفائی میں طبع ہوئی تھی مندرج ہیں۔ چنانچہ اسی کتاب کی ابتدا میں جو توضیح رموز حواشی کی گئی ہے۔ اس میں لکھا ہے ''حاشیہ دلدار علی المجتہد غفرانمآبؒ'' اس کے بعد بھی بعض مطابع میں جو حمد اللہ شائع ہوئی ہیں ان میں بھی یہ حواشی موجود ہیں۔

(۱۸) اجازہ

یہ وہ اجازۂ اجتہاد ہے جو جناب غفرانمآبؒ طاب ثراہ نے اپنے فرزند رشید حضرت سلطان

العلماء رضوانمآب طاب ثراہ کے لئے تحریر فرمایا تھا اور اپنے بیش بہا فوائد اور لاجواب مطالب کی وجہ سے مستقل تصنیف شمار کرنے کا مستحق ہے چھیالیس صفحہ پر ختم ہوا ہے اور اس میں جناب غفرانمآبؒ نے اپنے ابتدائے تحصیل، عراق کے زمانۂ طالب علمی اور اس کے بعد سے ہندوستان آکر علمی کارناموں کو اجمال و ایجاز کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اس کا ذکر جناب علیین مکانؒ نے فہرست تصانیف کے ذیل میں بایں عنواں فرمایا ہے:۔

الرسالۃ المسماۃ بالاجازۃ المنطویۃ علی اجازۃ الاخی المعظم والمحتویۃ علی ضرب من المواعظ والحکم ووصایا شریفۃ وفوائد لطیفہ۔ یہ بھی طبع ہو چکا ہے۔

(۱۹) نجات السائلین

جو مسائل روز مرہ وقتاً فوقتاً دستخط ہونے کے لیے آتے تھے اور ان کا جواب جناب غفرانمآبؒ تحریر فرماتے تھے ان میں سے کچھ مسائل بعض مجتہدین نے ایک مقام پر جمع کر لئے ہیں۔ چنانچہ دیباچہ میں جامع نے یہ عبارت تحریر کی ہے:۔

''مذنب خفی وجلی اوصاف علی بن سید شہامت علی ابن میر مشرف بشرف تلثیم عتبۂ عالیہ فخر المتکلمین وقدوۃ المجتہدین نائب امام زماں مولانا ومقتدانا عالی جناب سید دلدار علی صاحب قبلہ دامت برکاتہ علی رؤس المومنین شدہ چوں سائلین ایں اہل دین اسئلہ بحضور پرنور آں جناب معلی القاب روبرئے ایں ہیچمداں گزرانندہ وبجواب مزین شدند اکثر اینھا را گرفتہ بہ رسالۂ نجات السائلین مسمی ساختہ (یہ رسالہ طبع نہیں ہوا ہے۔)

(۲۰) رسالۂ جمعہ: جس میں نماز جمعہ کے وجوب تخییر کو غیبت امام میں ثابت کیا ہے۔

(۲۱) رسالہ جواب سوالات مولانا محمد سمیع صوفی

(۲۲) ذہبیہ: اس رسالہ میں تحقیق فرمائی ہے کہ وضو ظروف طلاء ونقرہ سے درصورت انحصار یا عدم انحصار صحیح ہے یا نہیں۔

(۲۳) اثارۃ الاحزان: اس میں مصائب سید الشہداء علیہ الصلوٰۃ والثناء کو بعنوان معتبر تجویز فرمایا ہے۔

(۲۴) رسالۂ فضیلت نماز جماعت: اسی زمانہ میں کہ جب ابتداءً نماز جماعت کی بنیاد لکھنؤ میں پڑی ہے اور ملا محمد علی بادشاہ کا رسالہ فضیلت جماعت میں آیا ہے تو جناب غفرانمآبؒ نے یہ رسالہ تحریر فرمایا تھا جس میں احادیث وآیات سے نماز جماعت کے رجحان کو ثابت فرمایا تھا۔

(۲۵) اربعۃ عشر احادیث: فضائل علماء اور اہل علم کے علو درجہ کے اثبات میں چودہ حدیثیں ایک مختصر رسالہ پر شرح کے ساتھ تحریر فرمائی ہیں۔ یہ رسالہ میر عابد علی صاحب مرحوم کے مطبع اثنا عشری میں شائع ہوا تھا مگر غلطی سے اس میں شرح اربعین تحریر کیا گیا ہے۔ یہ وہ تصانیف ہیں جن تک ہماری قاصر نظر پہونچ سکی ہے اس کے علاوہ نہ معلوم کتنی کتابیں ہیں جن کے طول عہد کی وجہ سے نام ہم تک نہ پہونچ سکے اور ان کے استقصا واحاطہ

قصیدہ

مولانا ومقتدانا السید دلدار علی نقوی سیدمرحوم ومبرور

عہدیست زمن خامۂ مشکینہ رقم را / مداحی سلطانِ عرب شاہ عجم را
شد چاک گریباں زستائش گریٔ خلق / از دست جفا کار سخن تیشہ قلم را
سیمرغ بود دانش من نے مگس خواں / ماوائے خودش ساختہ کاں کوہ ہمم را
ابکار مضامیں کہ بود زادہ فکرم / جائز نہ بود خطبہ اش ارباب نعم را
گرمسند قاقم بود و مجلس دو ناں / عیب است بہ نزد خرد ارباب ہمم را
آن کس کہ بود بادہ کش از ساغر کوثر / بر خاک مذلت زند او ساغر جم را
کلک قلمم گرنہ شود باد سیہ رو / فرسودہ رو مدح شہنشاہ امم را
با دوستیت عشق بتاں کفر شمارم / در کعبۂ دل جا نہ دہم سنگ صنم را
صوت حسن مدح تو کردند حلالم / نے ایں کہ سرایم پئے اغیار نغم را
ایں تازہ سوادیکہ زرشح قلمم ہست / مخصوص مدیح تو بود نے کے و جم را
گیرائے مقیم کہ بجز مدح نباشد / از باد معانی بہ برود ہشت رم را
زنہار دریں راہ ز افراط و ز تفریط / جائے گذرت نیست مگر تیغ دودم را
در مدح قصورے شود اے شاہ بہ بخشا / گر عقل نداند چو من از مدح تو ذم را
در مکتب مداحی تو تازہ نشستم / اینک پئے مدح تو گرفتیم قلم را
در مبداؤ مشتق نبود ہیچ تفاوت / ذات تو کریم آمدہ ہم عین کرم را
آزردہ و رنجیدہ شد از عالم امکاں / چوں ذات شریفت نہ شرف داد قدم را
بر فرق حدوث ارنہ شدے ظل وجودت / پاداش نمی کرد بجز کتم عدم را
محسوب شود معجزہ کاں لا متناہیت / منطق کند از ناطقہ ات جذر اصم را
شد چوں توشدی مجمع اطلاق دو امکاں / من وجہ و اطلاق سہ تا خاص و اعم را
اے آمر و ناہی تو بہ معروف ز منکر / از ناطقہ ات زیب بود لاد و نعم را

باشد ز ہم از نظر قہر تو اجسام   مخصوص بہ اعداد کند خوف تو کم را
دستم کہ سیہ می شود از سودن درہم   از حسرت دست تو بود روئے درم را
گر حامی بزغالہ شوی از سر انصاف   باشد کہ علف بار کند شیر اجم را
چوں بہر وجود تو بیار است مضیفے   تقدیر ز افلاک بپا کرد خیم را
خاک از رخ تو ختم رسل پاک نماید   و زلطف گزارد بسر دوش قدم را
سیرابی ابرازیم احسان تو باشد   پیش کف جود تو تنک حوصلہ یم را
نقد دل و جاں دادہ بہ سودائے شفاعت   بینیم جناب تو وما بیع سلم را
سرمایہ دل را بتو دادیم تو دانی   بامانہ بود کار چہ بسیار چہ کم را
حب تو بود شہد نفاق تو بود سم   گو خصم نداند نہ عسل را و نہ سم را
با گلبن روئے تو بود خار گلستاں   بے مہری تو خار کند باغ ارم را
واللہ بغیر از تو نہ دانم سروکارم   صد بار بریں میخورم اصناف قسم را
گردید دو تا پشت من از منت منّاں   گو لطف تو کاں راست کند قامت خم را
فریاد ازیں ساقئ مے خانۂ دنیا   ہر صبح و مسا میدہدم ساغر غم را
ایں بیوہ دنیا نہ بود قابل دیدن   دزدیدہ کند غمزۂ اوخار ستم را
در کوئے تو آسائم اگر قائد توفیق   از دوش دلم برفگند یاد الم را
یادم نہ ہوائے نجف و ساحت وادی   کو عطر نسیمش کہ رسد قوت شم را
فخرم بود از دودۂ خود در صف محشر   فردا کہ فراموش کند داد و دہم را
نور است علی النور حقیقی و اضافی   نازیم بوصف خود و وصف اب و عم را
تا ذات شریف تو رسد گر بہ شمارم   زیں سلسلۂ جدیم ارباب کرم را
مدح تو مرا در سخن آورد بہ پیری   اعجاز تو از لال برد عیب بکم را
عمرم سپری گشت بشد فرصتم از دشت   ریزم ہمہ در دامن خود اشک ندم را
در چشم زدن باختہ ام نقد جوانی   در دست نہ دارم بجز افسوس ہرم را
شاہا ز شفاعت چو شود روز قیامت   محروم نہ سازی من مسکین دژم را
فردا چو سر نیزہ شود نیر اعظم   از فوق سرم کم نہ کنی ظل علم را

مارا ز دل خویش فراموش نہ سازی
روزے کہ فراموش نمایند اب و عم را
سید تو میندیش و مشو مضطرب الحال
داری بسرت سایہ فلکن فخر امم را
یا رب بہ دلم بست تمنا ز سر لطف
مقبول بہ تعجیل کنی ملتمسم را
در بیت شرف آید و چوں صبح کشاید
خورشید امامت ز سر عزم امم را

روح اجتہاد

جناب مولوی سید علی یاور صاحب صدرؔ اجتہادی مرحوم

حاکم ملک شریعت حضرت غفرآں مآب
جن کے بحر علم سے ہے آج دنیا فیضیاب
تاجدار کشور دیں گوہر بحر علوم
جن کی خاک پا کے ذرے ضوفشاں مثل نجوم
خسرو ملک معانی حامل شرع متیں
متقی و زاہد و صابر رئیس العابدیں
آپ ہی تھے ہند میں روح روان اجتہاد
کر دیا روشن چراغ خاندان اجتہاد
جنگلوں کی خاک چھانی طے ہوئی راہ عراق
خود گوارا کر لیا دل پر اعزا کا فراق
سختیوں کا راہ غربت کی نہ کچھ بھی غم کیا
شوق علم دیں ہر اک منزل پہ اور افزوں ہوا
مختصر یہ ہے دل بیتاب لے پہونچا وہیں
آج ہے جس سرزمیں پر خوابگاہ شاہدیں
ایک دن یہ پیر و شاہنشہ گردوں نشیں
کر کے حاصل کل علوم دین ختم المرسلیں
ڈھونڈھنے نکلا وہ یوسف اپنی منزل کا نشاں
مصر کا بازار تھا جس کے لیے ہندوستاں
سرزمین لکھنؤ پر آکے باعزّ و وقار
اہل دنیا کے لئے قائم کی اپنی یادگار
کچھ ہی دن میں چرخ کج رفتار نے بدلی جو چال
ہو گیا افسوس اس مہر شریعت کو زوال
تیرہ و تار اس کے اٹھ جانے سے کل عالم ہوا
ذکر کیا اپنوں کا گھر میں غیر کے ماتم ہوا
تھا وہ اک شمع ہدایت اور زبان حق تھا وہ
صاحب عزت تھا وہ اور دین کی رونق تھا وہ
قوم کیا یہ کم نہیں ہے تیرے مر جانے کی بات
مٹ رہی ہے یادگار اس کی یہ ہیں جس کے صفات
ہنس رہے ہیں غیر تجھ پر تجھکو حس ہوتا نہیں
کیوں نہیں ہوتی عرق آلود غیرت سے جبیں
جس زمانہ میں وہ مہر پر ضیا تھا جلوہ گر
رہتے تھے روشن برابر نور سے شام و سحر
صدرؔ اس کے وصف عالی کس زباں سے ہوں بیاں
صفحۂ قرطاس پر بس روک لو کلک رواں

استاد ہر استاد

جناب بادشاہ مرزا صاحب ثمر لکھنوی مرحوم

لکھنؤ کی زیب وزینت کون تھا مسند آرائے شریعت کون تھا
واقف دین نبوت کون تھا جان مذہب روح ملت کون تھا
لکھنؤ گو مرنے والا مرگیا
پر تجھے شیعوں کا مرکز کر گیا

کس نے دریا علم کے ہر سو بہائے تشنہ لب سیراب ہونے جن سے آئے
راستے کس نے شریعت کے بتائے فیض کس ابر کرم سے ہم نے پائے
کس نے ہر شیعہ کو شیعا کر دیا
یعنی اک قطرہ کو دریا کر دیا

علم و حکمت کا سبق کس نے دیا لکھنؤ کو لکھنؤ کس نے کیا
کس کے نور رخ کی پھیلی یہ ضیا محفل تاریک کو چمکا دیا
حق کو پہچانا یہ قوت آگئی
قلب مومن میں بصارت آگئی

کس نے سکھلایا ہے مذہب کا چلن کون تھا ظلمت میں شمع انجمن
کس کے ہاتھوں یہ ہوا کار حسن باغ ایماں کا پھلا پھولا چمن
اس چمن کی آبیاری کس نے کی
قوم کی تیمارداری کس نے

لکھنؤ اجڑا ہوا گلزار تھا سرد علم و فضل کا بازار تھا
گو کہ مذہب تھا مگر بیمار تھا اور اس کا اک یہی دلدار تھا
ایسی کی تیمارداری قوم کی
توڑ دی جس نے سلاسل نوم کی

سر ہوا اونچا تو سرداری بڑھی دین حق کی گرم بازاری بڑھی
علم و حکمت سے یہ بیداری بڑھی گوشہ گوشہ میں عزاداری بڑھی
سوز غم سے شمع کی لو ہو گئے
تھے جہاں دس شیعہ اب سو ہوگئے

پاک طینت سید عالی نسب نام نامی سے ہیں واقف شیعہ سب
محسن ملت کا پایا ہے لقب آپ فخر ہند تھے فخر عرب کشت
آپ ہی کے فیض سے یہ شان ہے
لکھنؤ ہندوستاں کی جان ہے

عالموں کی جان کیا کہنا ترا جان اور ایمان کیا کہنا ترا
اے خدا کی شان کیا کہنا ترا حق پہ تھا قربان کیا کہنا ترا
کام جو کرنا تھا تجھکو کر گیا
نام کو زندہ کیا خود مر گیا

جہل کی ظلمت میں کب تھی دید علم یک بیک چمکا ہلال عید علم
شکر ہے پوری ہوئی امید علم مل گیا جب آپ سا خورشید علم
لکھنؤ کو عالموں سے بھر دیا
کر دیا مذہب کو زندہ کر دیا

قوت روحانیت کا تھا اثر آپ کے در پر جھکا شاہوں کا سر
نقد علم و فضل تھا پاس اس قدر مال دنیا پر نہ اٹھتی تھی نظر
قدر احکام خدا سمجھا کیئے
آپ شاہوں کو گدا سمجھا کیئے

حبّذا اے حضرت غفرانمآبؒ آپ کے مداح ہیں سب شیخ و شاب
آپ نے دکھلائی شان بوترابؑ آپ تھے ہندوستاں میں لا جواب
طالب علم آپ کے عباد تھے
بلکہ آپ استاد ہر استاد تھے

(۱) محیی الملۃ والدین سید دلدار علی غفرانمآبؒ

کشتیٔ ملت کے لنگر آپ تھے بحر عرفاں کے شناور آپ تھے
رہبر دین پیمبرؐ آپ تھے جادۂ حق بندہ پرور آپ تھے
جس کو نقش پائے حضرت مل گیا
اس کو بس گلزار جنت مل گیا

اے مکین باغ جنت مرحبا ہے زباں زد صبر و ہمت مرحبا
مذہب شیعہ کی عزت مرحبا عاشق و شیدائے ملت مرحبا
متقی تھے آپ اور عادل بھی تھے
عالم دیں بھی تھے اور عامل بھی تھے

آپ تھے امید گاہ اہل علم آپ نے پیدا کی راہ اہل علم
آپ سے قائم تھا جاہ اہل علم حبّذا اے بادشاہ اہل علم
رحمت خالق کا سر پر تاج تھا
آپ سے آباد علمی راج تھا

آپ کا دم تھا معین بیکساں ذات حضرت تھی عصائے ناتواں
شرح کی حد میں بوقت امتحاں کام آئی آپ کی تیغ زباں
دشمنان جد کے قاطع مرحبا
اے رسوم بد کے قاطع مرحبا

باپ دادا کا ملا نقش قدم کیوں نہ ہوتے دوجہاں میں محترم
آپ کی تعریف ہو مجھ سے رقم قوت علمی، نہ ہے زور قلم
حق کروں کیونکر ادا حیران ہوں
آپ کا شرمندۂ احسان ہوں

اے سپہر علم کے روشن قمر آپ سے واقف ہیں سب اہل نظر
آپ کا جو کچھ ہے دنیا میں اثر سچ تو یہ ہے اس کو کیا جانے ثمر
کچھ نہ اس سے بندہ پرور پوچھئے
جوہری سے قدر گوہر پوچھئے

ہندی موسیٰ

ابوالمعارف مولوی سید دلدار علی نقوی رازؔ اجتہادی مرحوم

ہے نصیر آباد اک بستی اودھ میں مختصر　　سیدوں کے بھی ہیں آبادی میں کچھ تھوڑے سے گھر
صاحب ایماں ہیں گو رکھتے نہیں کچھ مال و زر　　کھیتی باڑی میں بمشکل کرتے رہتے ہیں بسر
تھے انہیں میں ایک معین الدین مرد باخدا
تنگدستی میں رہا کرتے تھے یہ بھی مبتلا

مال دنیا تو نہ تھا اچھا تھا قسمت کا مآل　　ہونے والا گھر میں تھا فرزند ایک فرخندہ فال
تھا گیارہ سو چھیاسٹ ۱۱۶۶ھ وہ سن ہجرت کا سال　　کون ہے جس کو نہیں معلوم پیدائش کا حال
باپ ماں کا کیوں نہ ہوتا دل خوشی سے باغ باغ
دُور تاریکی ہوئی روشن ہوا گھر کا چراغ

اتنی وسعت تو نہ تھی آتی جو کوئی قابلہ　　حق نے آساں کر دیا گو مرحلہ دشوار تھا
شب کی ظلمت گھٹ گئی چمکا ستارہ صبح کا　　سید موصوف کا نور نظر پیدا ہوا
آرزو کسب ضیا کی تھی جو برق طور سے
ہو گیا روشن زچہ خانہ جبیں کے نور سے

صورت راحت تھی باہر باپ کے امکان سے　　پرورش ہونے لگی غربت زدوں کی شان سے
جھوپڑی کو گو نہ تھی نسبت کسی دالان سے　　تھا مگر افضل وہ گھر شاہوں کے بھی ایوان سے
قصر شاہی کی طرف جھکتی نہ تھی ہر گز نظر
بن گیا مسجود زُہرا خادم زہراؑ کا گھر

باپ ماں تھے خادمان جانشین مصطفیٰ　　نام ”دلدار علی“ رکھا گیا مولود کا
اس لیئے تھی گلۂ بانی کمسنی کا مشغلہ　　ہونے والا تھا یہ بچہ ورثہ دار انبیاؑ
گر ائمہؑ کی نیابت زور علم دیں سے لی
انبیاؑ کی طرح گذری اقتصادی زندگی

شوق کسب علم کا پوچھو نہ کچھ حد و حساب　　عاریت لے لے کے اک اک سے پڑھی اک اک کتاب
روشنی ممکن نہ تھی تھا روئے علم اندر نقاب　　انتظار صبح کرتے تھی نہ اتنی دل کو تاب
اور ہمت بڑھ گئی گھر میں نہ جب پایا چراغ
اس جگہ پہنچے جہاں روشن نظر آیا چراغ

ابتدائے زندگی میں تھا وہ دن بھی انتخاب　　گرمیوں کا عہد اور وقت عروج آفتاب
بکریاں چرتی تھیں خود زیر شجر تھے محو خواب　　بند آنکھیں کیا ہوئیں گویا کھلا قسمت کا باب
آنکھ لگتے ہی یہ آئی کان میں غیبی صدا
سو چکا فرزند اٹھ اب لکھنؤ کی سمت جا

امت جد، دین حق ہاتھوں سے اپنے کھو چکی　　نیک اعمالی کے دفتر آنسوؤں سے دھو چکی
گلہ بانی بکریوں کی ہو چکی بس ہو چکی　　قوم کو بیدار کر سونا تھا جتنا سو چکی
اٹھ مرے لخت جگر مشکل کشا کا نام لے
غرق ہونے کو ہے بیڑا بڑھ کے لنگر تھام لے

رعب اتنا دل پہ چھایا صاحب آواز کا　　جاگنے پر دیر تک کانپا کیئے سب دست و پا
پہلے تو سونچا کئے یہ کس طرح کا خواب تھا　　اپنی ہی روشن ضمیری نے جواب آخر دیا
ہو مبارک عالم دیں حامی امت ہوا
حاکمِ شرعِ رسالت نائب حجتؑ ہوا

ملتے ہی تعبیر یہ باندھی پئے غربت کمر　　بکریاں پہونچائیں مجبوری سے آخر تا بہ در
مفلسی میں اور کیا ہوتا سرانجام دگر　　ایک لوٹا ایک چادر، تھا یہ سامان سفر
کوئی پیسہ تھا نہ توشہ ساتھ کھانے کے لیے
تھے صعوبات سفر دل کو دکھانے کے لیے

تھی نہ غربت میں میسر اور تو کوئی غذا　　یا تو تھے مولی کے پتے یا چنے کا ساگ تھا
شام غربت آگئی جب دن بمشکل کٹ گیا　　بس یہ تھا سامان شب کو راحت و آرام کا
تھا نہ رخت خواب ہی کچھ اور نہ سایہ تھا کہیں
ذات باری پر تھا تکیہ اور بستر تھی زمیں

لکھنؤ القصہ پہونچے اور ہوئی فکر مقام　　اور کیا غربت میں ہو سکتا تھا کوئی انصرام
وقف اک مسجد ہوا کرتی ہے بہر خاص و عام　　خانۂ حق میں مسافر نے کیا آکر قیام
مل گیا کھانے کو گر کچھ شکر کر کے کھا لیا
اکثر اوقات دو دو دن گذارے بے غذا

قابل تدریس پایا لکھنؤ میں جو کوئی　　پڑھ لیا کچھ راستہ میں چلتے چلتے اس سے بھی
تھے جو سندیلہ میں عالم مولوی حیدر علی　　جا کے پیدل علم عقلیہ کی تحصیل ان سے کی
علم کے ہمراہ شوق علم بھی بڑھتا رہا
کم نگاہوں میں رہا فیض ابن حمد اللہ کا

گو نہ اہل علم کی ہندوستاں میں تھی کمی　　تشنہ کام علم کو حاصل نہ پر تسکیں ہوئی
فکر روز و شب رہا کرتی تھی جو دل کو یہی　　تھی غلام حضرت سبطینؑ[1] کی شہرت بڑی
چونکہ تحصیل علوم دیں پہ باندھے تھے کمر
ہو گیا سمت الہ آباد پیدل ہی سفر

مہرباں بے حد رہے یہ سید والا صفات　　ان کا دامن ہاتھ سے چھوڑا نہ ان کی تا حیات
پھر الہ آباد میں رکھا تھا کیا بعد ممات　　آگئے رائے بریلی جب ہوئی ان کی وفات
تھا جو باران شرف اللہ کی درگاہ سے
مل گیا فیض تلمذ ان کو باب[1] اللہ سے

ان سے گو ہوتی رہی تحصیل علم منطق　　تشنہ کامِ علم کو باقی رہی پر تشنگی
اہل علم و فضل کی تعریف جس جا بھی سنی　　پاپیادہ طے مسافت ہو گئی اس شہر کی
اشتیاق علم میں یوں خاک چھانی کو بکو
گاہ فیض آباد پہونچے گاہ آئے لکھنؤ

لکھنؤ میں تھے رئیس ذی حشم عالی جناب　　سرفراز الدولۂ عالی ہمم جن کا خطاب
آپ نے دیکھا جو زور علم کا اٹھتا شباب　　ابر جود و فیض آیا جوش میں مثل سحاب
اتنا پایا ان کو جب وارفتۂ تحصیل علم
کربلا بھجوا دیا فوراً پئے تکمیل علم

(۱) مولوی باب اللہ استاد غفرانمآبؒ

جب یہ پہونچا سید عالی نسب کرب و بلا　　پہلے ارکان زیارت پیش شہ لایا بجا
تحت قبہ با صمیم قلب پھر یہ کی دعا　　دہر میں روشن ہے جب تک شمس اے شاہ ہدا
علم بھی میراث میں مثل شرف قائم رہے
خانداں میں میرے کوئی مجتہد دائم رہے

ہو چکے فارغ زیارات مشاہد سے تمام　　مشغلہ رہنے لگا خوانندگی کا صبح و شام
تھے یہاں ملا محمد باقر عالی مقام　　ان سے حاصل کچھ دنوں کرتے رہے فقہ و کلام
آپ کے استاد تھے اک حجۃ الاسلام بھی
نام نامی جن کا تھا آقائے السید علی

جب کلام و فقہ سے حاصل فراغت ہو چکی　　فکر، اخبار و احادیث ائمہ کی ہوئی
فاضل کامل تھے اس میں ایک سید موسوی　　تھے یہ ہم نام محمدؐ اور امامؑ آخری
لے لیا جس بحر سے جیسا ملا در صدف
پیش قدمی کی شرف نے جب چلے سمت نجف

ساتھ علم و فضل کے بڑھتا رہا شوق و شغف　　کربلا سے جس قدر پانا تھا وہ پایا شرف
گو سہام تنگدستی کا کلیجہ تھا ہدف　　اشتیاق قلب نے پہونچا دیا لیکن نجف
رحمت حق دفتر آلام و غم دھونے لگی
جبہہ سائی باب شہر علم کی ہونے لگی

باغ علم دیں ہرا تھا دور تھی باد سموم　　فیض حکمت سے معطر ہو رہے تھے ترک و روم
مجتہد گو تھے نجف میں کتنے ہی مثل نجوم　　ان میں مانند قمر ممتاز تھے بحر العلوم
ایک لمحہ بھی کیا ضائع نہ غربت میں فضول
ان سے حاصل کی بہ محنت آپ نے فرع و اصول

جب اصول و فرع سے حاصل فراغت ہو چکی　　مل گئے استاد بھی کامل فضیلت ہو چکی
کاظمینؑ و سامرہ کی بھی زیارت ہو چکی　　اپنے ابنائے وطن سے حدّ فرقت ہو چکی
چلتے چلتے رہ نہ جائے یہ شرف تقدیر سے
اس لیئے بہر زیارت عازم مشہد ہوئے

(۱) حضرت آقا محمد مہدی طباطبائی

منزل مقصود اپنی جب بدقت مل گئی
کم ہوئی زحمت سفر کی دل کو راحت مل گئی
بجھ کے بھی ضوپاش اک شمع امامت مل گئی
جھک گیا سجدہ میں سر کیسی یہ تربت مل گئی
اوج پر اپنا مقدر آکے مشہد میں ملا
آٹھواں شمسِ امامت برج مرقد میں ملا

تھے یہاں آقائے سید مہدیؑ عالی نسب
ہے شہید رابع ان کا آج دنیا میں لقب
ان کے علم و فضل کا قائل تھا کل روم و عرب
اکتفا کرتے زیارت پر فقط ممکن تھا کب
عالم جید ملے ایسا جسے تقدیر سے
وہ رہے محروم اس کے فیض عالمگیر سے؟

استفادہ کے لیے حاضر ہوئے پیش جناب
تھا اگر مظروف اعلیٰ ظرف بھی تھا انتخاب
ہوگئے روشن علوم صدر بھی مثل کتاب
کشت زار علم پر برسی عطا بن کر سحاب
دور جو آنکھوں سے تھی دل میں وہی تنویر ہے
خواب وہ بچپن کا تھا یہ خواب کی تعبیر ہے

جھک گیا قسمت کے آگے چرخ سا جلاد بھی
شامل محنت ہوئی اللہ کی امداد بھی
آرزو جیسی تھی ویسا ہی ملا استاد بھی
علم پایا فضل پایا مل گئے اسناد بھی
علم دیں حسب تمنا آج حاصل ہو گیا
یہ مہ ہند آکے مشہد، بدر کامل ہو گیا

مل گیا در صدف کامل فضیلت ہو گئی
مجتہد یہ کیا ہوئے محکم شریعت ہوگئی
آگئے ہندوستان بس ختم غربت ہو گئی
شمس دیں چمکا وطن میں دور ظلمت ہو گئی
کھیتیاں ہو نے لگیں اسلام کی سب فیضیاب
چھا گیا ہر سو فضائے ہند پر علمی سحاب

مجتہد کیا مجتہد گر آپ تھے اسلاف میں
منفرد تھے، تھا نہ کوئی دوسرا اصناف میں
آپ کا چلتا تھا سکہ ہند کے اکناف میں
مجتہد ہوتے رہے ہیں آپ کے اخلاف میں
آپ نے اونچا کیا پہلے لوائے اجتہاد
آپ سے قائم ہوئی بے شک بنائے اجتہاد

آپ بہر خاتم اسلام تھے گویا نگیں   آپ ہی سے ہند والوں میں ہوئی تجدید دیں
محفل اسلام کے تھے آپ ہی مسند نشیں   آپ ہی سے کتنی شمعیں ہند میں روشن ہوئیں
کس نے کس نے آپ کے آگے نہیں کھولی کتاب
اصل فرع علم دیں تھے آپ ہی غفرانمآبؒ

آپ کا مرہون منت آج تک اسلام ہے   نام سے سرکار ہی کے خانداں کا نام ہے
آپ ہی کا آج تک جاری یہ فیض عام ہے   مہر اس پر آپ کی ہے جو چھلکتا جام ہے
مست وحدت ہو گیا گر پی لیا جام آپ کا
ہو گیا ساقی وہی جس نے لیا نام آپ کا

کام آئی ہے ہمارے آج ہمت آپ کی   بار آور ہو گئی جو کچھ تھی محنت آپ کی
کار موسیٰ کر گئی سعی ہدایت آپ کی   مشعل حق بن گئی دنیا میں زحمت آپ کی
مرکز کفر و جہالت تھا جہاں میں لکھنؤ
آج دار العلم ہے ہندوستاں میں لکھنؤ

آپ نے ہم کو دکھائی عز و شان اجتہاد   ہر قدم سے آپ کے ظاہر تھی آن[1] اجتہاد
ہے قبیلہ آپ ہی کا بوستان اجتہاد   آپ پر نازاں نہ کیوں ہو خاندان اجتہاد
کارنامے کربلا کے ہو چلے تھے دل سے دور
عزت خون شہیداں آپ نے رکھ لی حضور

ڈوب جانے سے بچایا دیں کا بیڑا آپ نے   خون دل سے گلشن مذہب کو سینچا آپ نے
پا کے بے حس قوم کو ہمتائے عیسیٰ آپ نے   روح تازہ پھونکدی تن میں مسیحا آپ نے
کوششوں سے آپ کی اسلام زندہ ہو گیا
لیجئے للہ کروٹ پھر زمانہ سو گیا

آپ سے اسلام کو حاصل ہوا عز و وقار   آپ تھے ملک شریعت کے جہاں میں تاجدار
سو گئے ہم کو جگا کر آپ خود زیر مزار   آج عبرت کا نمونہ ہے شکستہ یادگار
کس طرح در منہدم، دیوار خم دیکھا کریں
آپ کی آرام گہہ مٹ جائے ہم دیکھا کریں

(۱) آن بمعنی ادا ''بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد'' (خواجہ حافظ)

نوٹ:۔ ''ہندی موسیٰ'' نامی اس مسدس کو ابوالبلاغہ مولانا سید علی داور نقوی اجتہادی مدیر ماہنامہ ''مبلغ'' نے ''غفران مآبؒ نمبر'' میں رجب ۱۳۴۹ء میں شائع کیا تھا۔ یہ نظم اضافۂ معلومات ہے لہٰذا اعادۂ اشاعت سے کام لیا جا رہا ہے۔

رہنمائے حق

محشر لکھنوی مرحوم

مذہب شیعہ کے اول رہنما غفراں مآبؒ
جن کی ہستی لکھنؤ میں خضر دنیائے ثواب

آصف الدولہ کے عہد سلطنت میں آئے تھے
اک خزانہ علم دیں کا ساتھ اپنے لائے تھے

ملک ہندستاں کو مہر علم سے روشن کیا
ذرہ ذرہ کو جواب وادیٔ ایمن کیا

اللہ اللہ اس زمانے کا وہ جہل روزگار
جس کو دیکھو نشۂ پندار سے تھا بے قرار

دین پھیلایا امور مصلحت پیش نظر
وادیٔ ظلمات میں روحانیت پیش نظر

شہر اپنے کام میں اور یہ تھے اپنے کام میں
نقش ایماں کا ابھر آیا خدا کے نام میں

سیکڑوں لامذہبوں کو لائے ایماں کی طرف
دشمنوں کو بھی بنایا پیرو شاہ نجف

ان کی تصنیفات کا ایسا ذخیرہ لاجواب
جن کا اک اک نکتہ ہے حامیٔ دین بوترابؑ

دیکھئے تو ان کے شاگردوں کی فہرست طویل
منتہی ہوتی ہے جو انسان سے تاجبرئیل

اے تعالی اللہ بیان کیونکر ہو شان اجتہاد
کلک قدرت نے کیا ہے ایک اک فتوے پہ صاد

جب سنا روز ازل آوازۂ غفراں مآب
علم نے آواز دی یالیتنی کنت تراب

کہہ رہے ہیں آج تک یہ واقفان راز علم
خلوت و جلوت میں ظاہر ہوتے تھے اعجاز علم

آصف الدولہ تھے دنیا کے یہ دینی بادشاہ
سلطنت محدود اُن کی اِن کی تاحد نگاہ

ترجمان ملت حق تھی زباں شام و سحر
کاشف اسرار باطن تھا بیاں شام و سحر

راتوں میں بیدار رہ رہ کے جگایا قوم کو
معرفت کی صبح کا جلوہ دکھایا قوم کو

شہر بھر میں تھی بتان دیر کی جلوہ گری
کلمہ گویوں کا تھا انداز مزاج آذری

شمع اسلامی جلائی، دور ظلمت ہو گئی
کور باطن لوگوں کی روشن طبیعت ہوگئی

وہ حسینیہ کہ جو ہے قصر فردوس بریں
مدفن غفرانمآبؒ و مرکز ارباب دیں

محشرؔ اہل قبر کی وعظ اب مصیبت خیز ہے
روز و شب گونجی ہوئی آواز عبرت خیز ہے

سید المصلحین حضرت غفرانمآب علیہ الرحمۃ

جناب سید تنویر مہدی نقوی تنویرؔ نگروری صاحب

ذات اعلیٰ آپ کی ہے لائق صد احترام — آپ کو تنویرؔ کرتا ہے تہہ دل سے سلام
نام نامی آپ کا دلدار علی غفرانمآبؒ — آسمان ہند پر ہیں دیں کے روشن آفتاب
آپ زندہ باد کل تھے آج بھی ہیں زندہ باد — تا ابد زندہ رہیں گے بالیقیں بالاعتماد
آپ سے پہلے یہاں تھی تیرگی ہی تیرگی — موت سے بدتر مسلماں کی تھی ساری زندگی
چار سو کفر و ضلالت کے اندھیرے چھائے تھے — بس توہم کی وبا تھی ظلمتوں کے سائے تھے
آپ کے رکھتے قدم ہندوستاں کی سرزمیں — یوں چمک اٹھی کہ جیسے عرش پر مہر مبیں
آپ کے خدمات کی فہرست ہے کتنی طویل — اور میرا علم کتنا مختصر کتنا قلیل
مذہب اثنا عشر پر جب ہوا ہے کوئی وار — مثل تیغ حیدری لکھی کتاب ذوالفقار
آپ کا اک شاہکار علم مرآۃ العقول — گلشن علم و ادب کا مرکزیت دار پھول
صوفیت اور بدعتوں کی رد میں بھی لکھی کتاب — وہ بھی اپنے آپ میں بے مثل ہے اور لا جواب
آپ کی تعمیر کردہ وہ حسینی بارگاہ — جسمیں کرتے ہیں سدا مجلس بپا مغموم شاہ
ہند میں پہلے نماز باجماعت عام کی — اور پھر قائم صلوٰۃ سید الایام کی
آپ ہیں ایسے درخت سایہ دار اجتہاد — جس کے ہیں ممنون سارے مایہ دار اجتہاد
وہ شجر ہیں آپ، ہیں اثمار جس کے خوش صفات — نازش نوع بشر، اور افتخار کائنات
اک محمدؐ، اک علیؐ ہیں، اک حسنؐ، مہدیؐ ہیں ایک — آخری سید حسین اور پانچوں کے کردار نیک
ہے دعاؤں کا اثر اجداد کی جو آج تک — آپ ہی کی نسل ہے ناز ملک فخر فلک
آفتاب علم دیں کو جب گہن سا تھا لگا — عیسوی سن کی نگاہوں میں اندھیرا چھا گیا
بادلوں میں چھپ گیا دنیا کو کہہ کر خیر باد — وائے جب روشن مقدر آفتاب اجتہاد

۱۸۲۰ء

سلطان العلماء
سمی ختم رسل قبلۂ ملک آداب

فاضل نبیل جناب چودھری سبط محمد نقوی صاحب

سے ہم عاجز ہیں۔

شمالی ہند میں تشیع کا احیاء غفراں مآب مولوی دلدار علی صاحب کا تاریخی کارنامہ ہے جو آپ نے نواب آصف الدولہ اور ان کے نائب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں کی توجہ سے انجام دیا لیکن آپ کے فرزند اکبر اور جانشین مولوی سید محمد کو حالات نے زیادہ عہد آفریں شخصیت ثابت کیا۔ آپ علمی دنیا میں سلطان العلماء کے شاہی خطاب سے مشہور ہوئے۔ دربار میں بہ اتباع شاہی قبلہ وکعبہ اور گھر میں بڑے آپ کہے جاتے تھے۔

(تاریخ سلطان العلماء ص۱۱)

عہد امجد علی شاہ اور بعد کی تاریخ میں مجتہد العصر اور بعد وفات رضواں مآب کے لقب سے یاد کئے گئے۔

ولادت :۔ مولوی سید دلدار علی نے اپنے سب سے بڑے فرزند کی ولادت سے قبل (جو ۱۷؍صفر ۱۱۹۹ھ واوائل ۱۷۸۴ء کو واقع ہوئی)۔ خواب میں دیکھا کہ ''حضرت حجتؑ (بارہویں امام) عجل اللہ ظہورہ فرماتے ہیں کہ اس مولود کی تربیت مجھ سے متعلق ہے۔'' اسی بناء پر آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''مجھے فخر حاصل ہے اور میں بجا طور پر کہتا ہوں کہ امام منتظرؑ میری پرورش کے کفیل ہوئے ہیں۔'' (تاریخ سلطان العلماء ص ۲)

تعلیم و تربیت :۔ مصنف تاریخ سلطان العلماء کا فرمانا ہے کہ ایسے علماء کم ہوں گے جنہوں نے صرف اپنے والد ماجد سے تحصیل علم کی ہو۔

(تاریخ سلطان العلماء ۱۷)

جناب مصنف کی حیثیت خاندان اجتہاد میں ''اہلبیت'' کی ہے اور یقینا گھر کے حالات سے بہتر واقف ہوں گے۔ لیکن اسی کے ساتھ خاندان فرنگی محل میں اسی حیثیت کے مالک مصنف بانئ درس نظامی کا فرمانا ہے کہ...... مولانا سید دلدار علی نصیر آبادی کے فرزند مولانا سید محمد مجتہد نے مولانا حیدر علی سندیلوی سے پڑھا تھا۔''

(بانئ درس نظامی ص ۱۲۹)

ان متضاد بیانات پر محاکمہ فی الوقت میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ بہرکیف جناب نے تحصیل علم میں ایسی جانفشانی کا مظاہرہ کیا کہ ۱۹ سال کی عمر میں تکمیل تحصیل ہوگئی اور مجسمہ علم وکمال باپ نے اس لائق پایا کہ اجازۂ اجتہاد عطا کریں۔

والد کے شریک کار :۔ اجازۂ اجتہاد سے مزین ہونے کے بعد آپ نے اپنے والد ماجد کی ذمہ

داریوں میں ان کا ہاتھ بٹانا شروع کیا اور یہ چھوٹے بھائیوں کی تعلیم و تربیت میں آپ کا اشتغال تھا۔ اگر چہ اپنے پانچوں فرزندوں کی تعلیم کی اساس خود غفرانمآبؒ قائم کر چکے تھے مگر چار بھائیوں کی تکمیل سلطان العلماء کی مجلس درس میں ہوئی۔ چنانچہ خود حضرت سید العلماء اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں......ہم نے اور ان کی سب اولاد نے سلطان العلماء ہی کے انوار علوم سے فائدے اٹھائے (تاریخ سلطان العلماء ص ۲۷) سید العلماء مولانا سید حسین، آپ کے سب سے چھوٹے بھائی تھے جو آپ کے برابر کے شریک کار و معاون رہے۔ مولانا آغا مہدی صاحب مصنف تاریخ سلطان العلماء جو سید العلماء کی چوتھی پشت میں ایک ذی علم اور بالغ نظر مصنف ہیں۔ سلطان العلماء کو اعلم سمجھتے ہیں اسی نقطۂ نظر کی وکالت موصوف نے اپنی تصنیف تاریخ سلطان العلماء میں فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو سلطان العلماء کی اعلمیت ص ۲۳ مگر مفتی میر عباس شوشتریؒ جو سید العلماء کے جید تلامذہ میں ہیں اور جنہیں اس دودمان ہدایت نشان سے بڑی قربت، حالات کی گہری واقفیت اور خود سلطان العلماء سے زبردست عقیدت تھی۔ سید العلماء کی مدح میں کہتے ہیں۔ ؎

امامیکہ در کشور اجتہاد   چو او مادر دہر ہر گز نہ زاد

اور یہ بہت بڑی اور معاصر شہادت ہے۔ خاندان اجتہاد کے موجودہ سربراہ جو سلطان العلماء کے منجھلے (چوتھے) بھائی سید مہدیؒ کی نسل میں ہیں یعنی مولانا الحاج سید کلب عابد صاحب، آپ نے بھی ایک گفتگو میں یہی بتایا کہ اعلمیت و افقہیت جناب سید العلماء کے لئے تھی۔ یہی اعلم زمانہ سلطان العلماء سے اپنے استفادہ کا ذکر فرماتے ہیں:۔

''میں نے اپنی تعلیم کی ابتداء اور انتہا دونوں میں، اپنے والد ماجد غفراں مآب کی خدمت میں پڑھا لیکن وہ جناب میرے دوران تعلیم علیل ہو گئے۔ جس کی وجہ سے میرا درس......اخی معظم مجد اوحد جناب سید محمد...... کے حوالے کر دیا لہٰذا میں طویل مدت تک ان جناب کی خدمت میں علوم عربیہ میں معانی و بیان، بعض علوم حکمیہ و فنون رسمیہ اور بعض علوم دینیہ کی تحصیل میں مشغول رہا...... جب علامہ آفاق والد ماجد کو مرض سے افاقہ ہوا تو پھر میرا درس ان کے یہاں ہونے لگا۔

(مضمون نوشتہ راقم ماہنامہ الواعظ اگست ۱۹۷۴ء ص ۱۸)

دربار اودھ سے روابط:۔ آصف الدولہ اور سعادت علی خاں کا زمانہ غفراں مآب کے سامنے گذرا اور قدردانی کے ساتھ۔ غازی الدین حیدر شاہ کے عہد سلطنت میں ۱۲۳۵ھ میں غفراں مآب نے رحلت فرمائی اسی دور سے زیر سطح بے چینی کا آغاز ہوا۔ ہندوستان میں صوبہ اودھ کی حیثیت جب تک خود مختار نہ تھی۔ فرماں روایان اودھ کے تصرفات صحیح تھے۔

جس وقت نوابی کا اختتام اور سلطنت کی بنیاد قائم ہوئی تو اس اقدام کے جواز کے سامنے سوالیہ نشان لگ گیا۔ پھر بھی غفراں مآب کا عہد بخیر و بخوبی گزرا۔ غازی الدین حیدر سے مولانا سید محمد کا تعلق بس واجبی سا رہا لیکن نصیر الدین حیدر شاہ کا دور آتے ہی کش مکش شروع ہوگئی۔

یہ روداد آپ خاندان اجتہاد کے ایک اور اہل قلم سید محمد باقر شمس لکھنوی کے قلم سے دیکھیں:۔

''غازی الدین حیدر کے بعد نصیر الدین حیدر تخت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سلطان العلماء کی بڑی آؤ بھگت کی، ولیعہدی کے زمانے میں اپنی طرف مائل سمجھ کے۔ مگر تخت پر بیٹھتے ہی ان سے ٹکر ہو گئی۔ ایک عورت سے (جسے اس کا شوہر چھوڑ چکا تھا، مگر شرعی طور پر طلاق نہیں ہوا تھا) نکاح پڑھنے کے لئے طلب کیا انہوں نے صاف کہہ دیا کہ شوہر اول سے افتراق شرعی طورر پر ثابت نہیں، اس لئے میں نکاح نہیں پڑھوں گا بادشاہ کا چہرہ غصہ سے متغیر ہو گیا اور آپ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اس کے بعد شراب کے جواز کا فتویٰ اس صورت سے چاہا کہ طبیب حاذق نے بادشاہ کی زندگی کا انحصار شراب میں تجویز کیا ہے۔ اس صورت میں حکم شرعی کیا ہے۔ تمام علمائے اسلام نے جواز کا فتویٰ دیا۔ سلطان العلماء جانتے تھے کہ اس بہانے شراب نوشی مقصود ہے جس طرح جان بوجھ کر طبیب حاذق کی غلط تجویز ہے اسی طرح مفتی کا فتویٰ غلط ہوگا۔ حقیقت تو یہی تھی مگر صورت مسئلہ میں طبیب حاذق کی رائے سے مخالفت مفتی کیلئے بے معنی ہے اس لئے انہوں نے اپنی خداداد ذہانت سے کام لیا اور لکھ دیا ''**لا شفاء فی الحرام**'' (حرام چیزوں میں شفا نہیں) ان سے پہلے کسی نے اس محل پر اس حدیث کو پیش نہیں کیا تھا۔ نصیر الدین حیدر کی تند مزاجی مشہور ہے یہ دوسری جھڑپ تھی۔ اب رعب شاہی سے کام لینا چاہا اور ایک مسئلہ پوچھنے کے بہانے سے سلطان العلماء کو بلوایا۔ ایک کرسی پر خود بیٹھے اور ایک کرسی سامنے رکھوا کر اس پر قلمدان رکھ دیا اور ارادہ کیا کہ جب سلطان العلماء آئیں گے تو تعظیم نہ کروں گا۔ سلطان العلماء نے دروزاہ کے پاس پہونچتے ہی عربی قاعدے کے موافق بلند آواز سے یا اللہ کہا اور اندر داخل ہو گئے۔ بے اختیار بادشاہ تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور وہ قلمدان اٹھا کے بیٹھ گئے۔ بادشاہ دیر تک سناٹے میں رہے اور آخر میں ایک مسئلہ یوں ہی پوچھ کر رخصت کر دیا۔ جب مصاحبین خاص نے پوچھا تو کہا جب وہ کمرے میں آئے معلوم ہوا کسی نے بغلوں میں ہاتھ دیکر کھڑا کر دیا۔ مفتی میر عباس صاحب نے اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا کہ ان کے چہرے میں تنہا وہ رعب و جلال تھا جو بادشاہوں کو لشکروں کے ساتھ نصیب نہ تھا۔

اس واقعہ سے سلطان العلماء سمجھ گئے کہ بادشاہ کو مخالفت پیدا ہو گئی ہے اور وہ توہین پر آمادہ ہیں۔ دوسری دفعہ جب بلائے گئے تو جانے سے انکار کر دیا۔ نصیر الدین حیدر اس کی تاب کہاں لا سکتے تھے۔ آگ بگولہ ہو گئے حکم دیا کہ مکان توپ سے اڑا دیا جائے۔ شہر میں ہلچل مچ گئی رات کو یہ حکم ہوا تھا کہ بجلی کی طرح سارے شہر میں خبر دوڑ گئی۔ امرائے دربار دوڑے آئے کہ سلطان العلماء معافی مانگ لیں۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ رات لوگوں نے آنکھوں میں کاٹی، صبح ہوئی، شاہی فوج کے کپتان نواب مقبول الدولہ نے توپ خانے سے دو توپیں نکلوائیں۔ ایک سلطان العلماء کے مکان پر چڑھ گئی دوسری

محلسرائے شاہی پر۔صبح کو بادشاہ کی آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ شاہی محل پر توپ چڑھ گئی۔حواس جاتے رہے پوچھا یہ توپ کیوں اور کس نے چڑھائی ہے؟ معلوم ہوا کہ شاہی فوج کے کپتان نے۔وہ کہتے ہیں کہ میری غیرت قبول نہیں کرتی کہ بادشاہ دین کا مکان توپ سے اڑادوں اور بادشاہ دنیا کا محل کھڑا رہے۔اس لئے میں اپنی دین ودنیا دونوں آج ختم کئے دیتا ہوں۔ احساس مذہبی نے بادشاہ کو چونکا دیا اور شرمندہ ہوکر اپنا حکم منسوخ کیا۔کپتان کو ان کے جوش ایمانی پر گراں بہا خلعت عنایت کیا مگر سلطان العلماء سے زندگی بھر صفائی نہ رہی اگر چہ مذہبی امور کی انجام دہی انہیں کے ہاتھوں ہوتی رہی۔(شیعیت کی تاریخ ۳۹-۴۷)

محمد علی شاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد حالات میں ہمواری پیدا ہوئی۔محمد علی شاہ کا رجحان مزاج مذہب کی طرف تھا۔اب امور خیر وخیرات کی طرف توجہ ہونے لگی اور احکام شرع کو گوش ہوش سے سنا جانے لگا۔شمس صاحب اسی سلسلۂ بیان میں رقمطراز ہیں:۔

''انہوں نے جامع مسجد بنوائی اور سلطان العلماء سے نماز پڑھانے کی استدعا کی،انہوں نے کہا اس میں کچھ زمین نعیم خاں کی شامل ہوگئی ہے۔اس لئے میں نماز نہیں پڑھاؤں گا۔یہ بادشاہ نہایت متدین اور بیدار مغز تھے انہوں نے سلطان العلماء ہی کے سپرد اس کی تحقیقات کی اور کہا کہ شرعی حیثیت سے جواز کی صورت آپ نکال دیں انہوں نے نعیم خاں کو بلوا کے معاوضہ پر راضی کیا اور بادشاہ سے معاوضہ دلوا کے نماز پڑھائی۔''(شیعیت کی تاریخ ۴۰)

یہ دور بادشاہ دنیا اور نائب امام کے تعاون اور ہم آہنگی سے گذرا۔امجد علی شاہ نے تخت نشین ہو کے سلطنت کے جواز کو شک وشبہ سے بالاتر قرار دینے کے لئے یہ حل تجویز کیا کہ تخت سلطنت سلطان العلماء کو سونپ دیا جائے مگر قبلہ وکعبہ نے اپنی طرف بڑھتے ہوئے تاج کو اپنے ہاتھ سے انکے سر پر رکھا اور عہد و پیمان لیا کہ حکومت فقہ جعفری کے نظام الٰہی پر ہو۔''(تاریخ سلطان العلماء ۴۴)

بادشاہ نے ممکن حد تک عہد پورا کیا اور نظم ونسق کا رخ حکومت الٰہیہ کی طرف حتی الامکان ہوا۔اس کی تفصیل بڑی حد تک آپ گذشتہ اوراق میں ملاحظہ فرما چکے۔یہ واقعہ خود شاہد عادل ہے کہ سلطنت کن حالات میں سلطان العلماء کی طرف بڑھی۔

خطاب:۔ امجد علی شاہ نے قبلہ وکعبہ کے لئے حسب ذیل خطاب تجویز فرمایا تھا:

''مجمع علوم دین،مرجع سادات ومومنین،حافظ احکام اللہ،مورد اعتقادات امجد علی شاہ،سلطان العلماء مجتہد العصر مولانا سید محمد صاحب''

لیکن خود سلطان العلماء کی تجویز پر مورد اعتقادات کو مورد عنایات سے بدل دیا گیا۔

امجد علی شاہ اور سلطان العلماء کے روابط پر یہاں پھر سے اظہار خیال کی ضرورت نہیں،گذشتہ اوراق میں حسب ضررت بحث ہو چکی ہے۔اب ہمیں سلطان عالم واجد علی شاہ سے سلطان العلماء کے روابط کو دیکھ لینا چاہئے۔جناب شمس لکھتے ہیں:۔

''ولی عہد واجد علی شاہ پر ایک زن بازاری نے دعویٰ دائر کیا کہ وہ میری حضانت سے ایک لڑکی کو زبردستی لے گئے۔ مقدمہ کی سماعت ہوئی اور فریقین کے ثبوت و بیان کے بعد فیصلہ ہوا کہ اس کی رقیت شرعی نہج سے ثابت ہوئی لہٰذا ولی عہد بہادر کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ فوراً اس لڑکی کو مدعیہ کے سپرد کر دیں۔ واجد علی شاہ نے فوراً حکم کی تعمیل کی اسی طرح کا ایک واقعہ یہ بھی تاریخوں میں موجود ہے کہ واجد علی شاہ نے ولی عہدی کے زمانے میں کسی عورت کو اپنے تاہل میں لانا چاہا جو ان پر حرام تھی۔ فتویٰ پوچھا، جواب نفی میں ملا۔ جب بادشاہ ہوئے تو خیال ہوا کہ شاید اب مرعوب ہو جائیں۔ کہلوایا کہ کیا اس حکم پر نظر ثانی کی گنجائش ہے؟ سلطان العلماء نے جواب دیا کہ **حلال محمدؐ حلال الی یوم القیامة و حرام محمدؐ حرام الی یوم القیامة** (شیعیت کی تاریخ ص ۵۵) (یعنی حضرت پیغمبر آخر الزماں نے جو چیزیں حرام یا حلال کر دی ہیں، اس میں قیامت تک تبدیلی نہیں ہو سکتی۔) چونکہ سلطان العلماء کا اصلی نام محمد تھا اس لئے الفاظ حدیث بہت پر معنی ہو گئے۔

انتزاع کے بعد:۔ واجد علی شاہ کے عہد میں بھی صورت حال برقرار رہی، بادشاہ کو علماء کرام کے احترام و اکرام کا خود بہت خیال رہتا تھا اور تمام نظم و نسق تقریباً اسی نہج پر رہا جو ان کے والد جنت مکان کے عہد میں تھا۔ انتزاع سلطنت کے بعد جب تحریک آزادی کی لہر آئی تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان العلماء کو کسی ناگوار صورت حال کا سامنا ہوا۔ مولوی اعجاز حسین صاحب ابن مولوی مفتی محمد قلی صاحب نے لکھنؤ پہونچ کر تمام امور بخیر و بخوبی انجام کو پہونچائے۔ انگریزوں نے بھی قبلہ و کعبہ کی قدردانی سے کام لیا۔ حاضری عدالت اور اسلحہ کے لائسنس سے مستثنیٰ تھے، دربار میں کرسی بھی ملتی تھی، دربار اودھ سے جو معافی و مراعات تھی وہ بھی بحال کی گئی (تذکرۂ بے بہا ۸۔۷)

علمی خدمات:۔ اگرچہ سلطان العلماء کے اوقات عزیز عدالتی فرائض اور دربار سے متعلق دوسرے امور میں بہت بڑی حد تک صرف ہوتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے تصانیف و تلامذہ کی بڑی تعداد اپنی یادگار چھوڑی ہے۔ آپ پہلے فرد تصنیفات ملاحظہ فرمائیں:۔

۱۔ اجازۂ اجتہاد و روایت برائے ممتاز العلماء سید تقی صاحب مطبوعہ ۱۸۴۶ء
۲۔ اجازہ برائے عمدۃ العلماء سید ہادی صاحب قبلہ
۳۔ احیاء الاجتہاد۔ اصول فقہ
۴۔ ازاحۃ الغی
۵۔ اصل الاصول
۶۔ بارقہ ضیغمیہ
۷۔ کتاب مبسوط
۸۔ بوارق موبقہ
۹۔ برق خاطف
۱۰۔ بشارت محمدیہ
۱۱۔ ثمرۃ الخلافت
۱۲۔ حفاظ قرآن امامیہ
۱۳۔ حاشیہ حمد اللہ

۱۴۔ رسالہ حل مسئلہ جذر اصم
۱۵۔ حاشیہ شرح صغیر
۱۶۔ رسالہ تحقیق نجاست عرق جنب بحرام
۱۷۔ رسالہ ضیق و وسعت در نماز قضا
۱۸۔ رسالۂ جمعہ
۱۹۔ سبع مثانی (تجوید میں)
۲۰۔ سیف سح
۲۱۔ سم الفار
۲۲۔ شرح زبدۃ الاصول
۲۳۔ صمصام قاطع
۲۴۔ ضربت حیدریہ (دو ضخیم مجلدات)
۲۵۔ طعن الرماح
۲۶۔ عجالہ نافعہ
۲۷۔ فوائد نصیریہ
۲۸۔ قتال النواصب
۲۹۔ گوہر شاہوار
۳۰۔ کشف الغطا
۳۱۔ لوعلم ابوذر مافی قلب سلیمان
۳۲۔ منہاج التدقیق
۳۳۔ شرح جعفریہ محقق شیخ علی
۳۴۔ تفضیل سادات بر مشائخ
۳۵۔ اجازۂ شقشقیہ بحق ملک العلماء بندہ حسین
۳۶۔ جوابات، سوالات علی بن شدقم
۳۷۔ حاشیہ بر معالم الاصول
۳۸۔ جدول ولادت و وفات ائمہ معصومینؑ
۳۹۔ احقاق الحق: اسی نام کی ایک مشہور کتاب شہید ثالث نور اللہ شوشتریؒ کی بھی ہے مگر سلطان العلماء نے بھی اس نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔
۴۰۔ تحریرات سلطان العلماء رام پور کے کتبخانے میں ہیں جن میں تاریخ اودھ اور انتزاع سلطنت پر بحث ہے۔

تلامذہ:۔ یہ ابھی ہم دیکھ چکے ہیں کہ سلطان العلماء اپنے نامور چھوٹے بھائیوں اور بیٹوں کی تعلیم کے کفیل رہے ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے لاتعداد بچوں کی بسم اللہ بھی کرائی ہے۔ ان کے علاوہ جن افراد نے ان کے سامنے باقاعدہ زانوئے ادب تہہ کر کے اکتساب علم و کمال کیا ہے ان میں سے جو نام معلوم ہو سکے ہیں وہ پیش کیے جا رہے ہیں:۔

۱۔ میرزا جعفر علی فصیحؔ (تحقیقی نوادر ص ۲۰۰)
۲۔ قاضی آغا سید صاحب جائسی
۳۔ میر اولاد حسین صاحب
۴۔ قاضی محسن رضا صاحب۔ صاحب تذکرۂ بے بہا (ص ۳۴۲) نے ان دونوں حضرات کو ایک ہی شخص قرار دیا ہے صاحب تاریخ سلطان العلماء (ص ۱۵۸) انہیں الگ الگ فرد قرار دیتے ہیں اور آغا سید صاحب جائسی کا اصل نام محمد رضا بتاتے ہیں۔
۵۔ مولوی سید شاہ بخاری
۶۔ قاری سید جعفر علی جارچوی
۷۔ مولوی سید دیدار جہاں محدث۔ ان بزرگوار کو صاحب

تاریخ سلطان العلماء نے بڑا گاؤں ضلع فیض آباد کا متوطن بتایا ہے۔اور استاذی مولانا خادم حسین صاحب مرحوم کو ان کی اولاد دختری میں شمار کیا ہے۔

۸۔مفتی سردار مرزا صاحب

۹۔مولوی سید سرفراز حسین صاحب ، مرزا غالبؔ اسی مناسبت سے ان بزرگ کو مجتہد العصر اور سلطان العلماء سے بطور مزاح یاد کرتے تھے۔میر مہدی مجروحؔ کے نام کے خطوط میں ان کا ذکر بہت آیا ہے۔

۱۰۔مولوی میر سید علی صاحب محدث

۱۱۔مولانا سید علی حسن صاحب جائسی

۱۲۔مولوی میر برکت علی صاحب

۱۳۔مولانا سید حامد حسین صاحب فردوس مآبؒ

۱۴۔مولوی مرزا احمد بن علی محمد فیض آبادی

۱۵۔مولوی سید محمد صاحب

۱۶۔مولوی مشرف علی صاحب

۱۷۔مولوی عبد العلی صاحب

۱۸۔مولانا سید ابوالقاسم قمی صاحب

۱۹۔مولانا شاہ سید علی حسن اشرفی احسنؔ جائسی

ازواج و اولاد:۔ مولانا سید محمد کی شادی چودہ سال کی عمر میں اپنی خالہ زاد بہن دختر سید محمد صالح ابن سید ابوالفضل سے ہوئی۔(دوحۂ ہاشمیہ قلمی کتبخانہ لور پور فیض آباد) ان کے علاوہ چھ بیویاں اور ہوئیں اور صاحب تاریخ سلطان العلماء کے بیان سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ سب کی سب امہات اولاد تھیں۔

گیارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں خدا نے دیں۔(تاریخ سلطان العلماء ص۱۶۹) صاحب تذکرۂ بے بہا کے بیان کے مطابق ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔

۱۔منصف الدولہ سید محمد باقر صاحب

۲۔مولوی سید محمد صادق صاحب

۳۔خلاصۃ العلماء سید محمد مرتضیٰ صاحب

۴۔مولوی سید عبد اللہ صاحب

۵۔ملک العلماء جناب بندہ حسن صاحب

۶۔ڈپٹی مولوی سید علی اکبر صاحب

۷۔تاج العلماء جناب سید علی محمد صاحب

۸۔مولوی غلام حسین صاحب

۹۔مولوی سید محمد علی صاحب

دو حضرات کا نام نظر سے نہیں گزرا۔

صاحبزادیوں کا نام معلوم ہونے کا تو امکان ہی نہیں ہے، وہ کہاں منسوب ہوئیں پیش نظر دو ماخذوں میں اس کا ذکر بھی نہیں ہے۔تاریخ سلطان العلماء سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ سلطان العلماء کی ایک صاحبزادی، ان کے حقیقی برادر زادے سید ہادی صاحب خلف سید مہدی صاحبؒ سے منسوب تھیں۔ سلطان العلماء کی ایک صاحبزادی فاطمہ صغریٰ نصیر آباد بیاہ کر گئیں۔ان کے بطن سے سید عسکری صاحب پیدا ہوئے۔ ان کو سید العلماء کی دختر طیبہ بیگم منسوب ہوئیں ان کے انتقال کے بعد دوسری صاحبزادی ام سلمہ کا عقد ہوا۔ان کی نسل بھی باقی ہے۔

(تاریخ سلطان العلماء ص۱۰۵)

سلطان العلماء کی زندگی کے چند اہم واقعات

سلطان العلماء کو اپنی طویل زندگی میں حکومت شرعیہ کے قیام، رقوم زکوٰۃ و خمس کی مستحقین شرعی میں تقسیم اور اسی طرح کے مسائل کے علاوہ بعض نہایت اہم اور دوررس اثرات کے حامل واقعات کا سامنا کرنا پڑا جنہوں نے جناب کی عام مقبولیت کو متاثر کیا۔ یہ واقعات ایسے تھے جن میں فقہ جعفری کے عالم اور پیشوا کی حیثیت سے ان کے لئے راہ عمل وہی تھی جو انہوں نے اختیار کی کوئی بدل ممکن نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو اس طرح سمجھا نہیں جاسکا جس طرح سمجھا جانا چاہیئے تھا۔

آیئے اب انہیں کسی قدر بسط سے دیکھیں۔

سب سے پہلی منزل تو ہندوستان کے انگریزی عہد میں دارالحرب ہونے کا مسئلہ تھا۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی اور ان کے پیرو ہندوستان کو اس وقت انگریزی راج میں دارالحرب سمجھتے تھے اس لئے جہاد کا سزاوار جانتے تھے۔ فقہ جعفری میں شرائط جہاد کی شدتیں اور سختیاں اتحاد عمل کی راہ میں سنگ گراں تھیں اور اس نے انفرادی طور پر نہیں جماعتی پیمانے پر بعد پیدا کیا۔

سید احمد شہید تو ان حضرات کے ہم وطن ہی تھے ان کی قربانی نے پورے صوبے کو ہلا کے رکھ دیا مگر وہیں اسی اصول کہ ''غیبت امام میں جہاد نہیں'' کی فقہی پابندی نے شیعہ عناصر کو عملی ہمدردی سے کنارہ کش رہنے پر مجبور کر دیا ۱۸۵۷ء کی جنگ میں بھی اعلانیہ اور اجتماعی اقدام میں بھی یہی رکاوٹ رہی۔

سلطان عالم واجد علی شاہ کے زمانے میں مسجد اجودھیا کی بے حرمتی اور مولوی امیر الدین علی کی عزیمت نے بھی غلط فہمیاں پیدا کیں۔ عملی اقدام کی حمایت یا شرکت نہیں کر سکتے تھے ایک استفتاء کے جواب میں بہت واضح فتویٰ دیا:۔

''اہل اسلام و ایمان سے کافروں اور لئیموں کے شر کا دفع کرنا حکام اسلام کا فریضہ ہے۔

(مرزا جان: حدیقۃ الشہداص ۱۴۱)

مگر بدگمانی نے اس سیدھے سادھے بالکل بے لاگ فتوے کے معنی پنہائے کہ اس سے قتل سنیاں مقصود ہے، وہ اس پردے میں موجود ہے۔ اس کا سلطان العلماء کیا علاج کرتے!

اسی زمانے میں کچھ پہلے حضرت ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفرؔ شہنشاہ ہند نے سلطان العلماء کے نام ایک مراسلہ بھیج کر مذہب شیعہ قبول کرنے کی اطلاع اور درگاہ حضرت عباسؑ میں چڑھانے کے لئے علم مبارک بھیجا اس واقعہ کی ضروری تفصیل آپ پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیبؔ کے حقائق نگار قلم سے ملاحظہ کریں:۔

''علم کے قضیے کے متعلق خود مرزا حیدر شکوہ کا بیان ہے کہ جس زمانے میں وہ کلکتے میں مقیم تھے بہادر شاہ ظفرؔ بیمار ہوئے اسی بیماری کی حالت میں انہوں نے ایک خواب میں خود کو حضرت عباسؑ کی درگاہ میں علم چڑھاتے ہوئے دیکھا اور ایک خط میں مرزا حیدر شکوہ کو اس خواب کا حال لکھ بھیجا۔ جب بہادر شاہ کو صحت ہوئی تو انہوں نے

ایک سونے کا علم بنوا کر مرزا حیدر شکوہ کے بھائی میرزا انور الدین کے پاس لکھنؤ بھیجا۔ جب حیدر شکوہ کلکتے سے واپس آئے اور بہادر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اس خواب اور علم کا حال زبانی بھی ان سے بیان کیا اور لکھنؤ کے مجتہد سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب کے نام ایک خط لکھ کر مرزا حیدر شکوہ کی معرفت روانہ کیا انہیں کے ہاتھ ایک خط مرزا انور الدین کو بھی بھیجا جس میں ان کو لکھا کہ معلوم نہیں کہ علم حضرت عباسؑ کی درگاہ میں چڑھا دیا گیا یا نہیں، اگر نہ چڑھایا گیا ہو تو جلد چڑھایا جائے۔ قصہ مختصر مرزا حیدر شکوہ کی معرفت بہادر شاہ کا خط وصول ہونے کے بعد مجتہد العصر نے ۶؍ ربیع الاول ۱۲۷۰ھ کو وہ علم شاہی انتظام اور شاہانہ جلوس کے ساتھ حضرت عباس کی درگاہ میں چڑھا دیا۔ یہ خبر کچھ جھوٹے سچے حاشیوں کے ساتھ دہلی پہونچی اور وہاں کے علماء و مشائخ نے بہادر شاہ کو دھمکی دی کہ اگر یہ خبر صحیح ہے تو جمعہ اور عیدین کے نماز کے خطبے سے ان کا نام نکال دیا جائے گا اس خوف سے بہادر شاہ مکر گئے اور یہ ظاہر کیا کہ مرزا حیدر شکوہ اور مرزا انور الدین نے ان کی بیماری کے زمانے میں ان کی صحت کے لئے اپنے مذہب کے موافق علم چڑھانے کی نذر مانی تھی جس کو انہوں نے اپنے طور پر پورا کیا۔

علم کے قضیے نے بہت طول کھینچا اور اس کے بارے میں بہت خط و کتابت ہوئی اس سلسلے کی تمام اہم تحریریں مرزا حیدر شکوہ نے ایک رسالے میں جمع کر دی ہیں۔ اسی رسالے میں انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ امیر تیمور سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک کل مغل بادشاہ مذہباً شیعہ تھے اور اس دعویٰ کے کچھ ثبوت بھی پیش کئے ہیں یہ رسالہ ۱۲۷۰ھ میں علم حیدری در عقائد سلاطین تیموری کے نام سے لکھنؤ میں چھپا تھا۔'' (نگارشات ادیب ص ۷-۱۹۶)

اس شہرت کے تدارک کے لئے وزیر اعظم حکیم احسان اللہ خاں نے ایک مثنوی مرزا غالبؔ سے کہلوائی۔ اس کا جواب مرزا حیدر شکوہ کے علاوہ میر دوست علی خلیلؔ شاگرد خواجہ آتشؔ نے لکھنؤ سے دیا۔ دہلی میں یہ خیال کیا گیا کہ خلیل کی کوشش میں مفتی علامہ میر عباس شوستری کی مدد شامل ہے۔ اس لئے مولوی امام بخش صہبائی نے جواب کی فکر کی اور اس میں مفتی علامہ پر علانیہ طعن و تشنیع سے کام لیا اب مفتی صاحب نے بھی قلم سنبھالا اور ۱۲۷۰ھ میں ان کی مثنوی خطاب فاصل پایۂ تکمیل کو پہونچی۔ اس طرح مناظرے کے فن کی یکے بعد دیگرے پانچ مثنویاں وجود میں آئیں۔

مرزا غالبؔ کے سلطان العلماء سے بڑے مخلصانہ روابط تھے۔ مرزا اپنے مذہبی تر ددات میں جناب کی ہی طرف رجوع کرتے تھے قبلہ و کعبہ بھی دربار اودھ سے ان کی تواضع میں توجہ فرمایا کرتے تھے۔ اس مثنوی کے بعد بھی، جس میں کافی سخت کلامی سے کام لیا گیا تھا، اگر چہ خواجہ حالیؔ کے بیان کے مطابق قبلہ و کعبہ نے مرزا سے دریافت کیا کہ ''آپ نے خود مذہب شیعہ اور مرزا حیدر شکوہ کی نسبت اس مثنوی میں ایسا اور ایسا لکھا ہے۔''

(نگارشات ادیب ص ۱۹۷)

لیکن تعلقات پر کوئی اثر نہیں پڑا اور مرزا کی جناب سے عقیدت اور مرزا پر جناب کی عنایت سابق بدستور رہی۔ غالبؔ ان عنایات کا اعتراف سید یوسف مرزا کے نام کے ایک خط میں یوں کرتے ہیں:۔

''سنو صاحب تم جانتے ہو کہ میں چار[۴] پارچے کا خلعت ایک بار اور ملبوس خاص شالی رومال دوشالہ ایک بار پیشگاہ حضرت سلطان عالم سے پا چکا ہوں، مگر یہ بھی جانتے ہو کہ وہ خلعت مجھ کو دوبار کس کے ذریعے سے ملا ہے۔یعنی جناب قبلہ و کعبہ حضرت مجتہد العصر مدظلہ العالی۔اب آدمیت اس کی مقتضی نہیں کہ میں بے ان کے توسط کے مدح گستری کا قصد کروں چنانچہ قصیدہ لکھ کر اور جیسا میرا دستور ہے، کاغذ کو بنوا کر حضرت پیر و مرشد کی خدمت میں بھیج دیا ہے۔یقین ہے کہ حضرت نے وہاں بھیج دیا ہوگا۔اور میں تم کو بھی لکھ چکا ہوں کہ میں نے قصیدہ لکھنؤ بھیج دیا ہے اسی خط میں یہ بھی تم کو لکھا ہے کہ حضرت زبدۃ العلماء سید نقی صاحب اگر کلکتے پہنچ گئے ہوں تو مجھ کو اطلاع دو......''

(خطوط غالبؔ مرتبہ مہیش پرشاد ص ۳۔۱٦۲)

منشی مہیش پرشاد کی تحقیق کے مطابق یہ خط ۵ رنومبر ۱۸۵۹ء یعنی ربیع الثانی ۱۲۷٦ھ کی کسی ابتدائی تاریخ کا ہے گویا تصنیف مثنوی کے چھ سال بعد کا اور ابھی مثنوی کا قضیہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔کیونکہ اسی زمانے میں مفتی صاحب جوابی مثنوی کی تصنیف کر رہے تھے اور کلکتہ ہی میں مقیم تھے۔اس خط سے اس بات کا بھی ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ خاندان سلطان العلماء کے سبھی نمودار بزرگ غالبؔ پر مہربان تھے ورنہ وہ جناب کے برادر زادے زبدۃ العلماء معین المومنین سید نقی صاحبؒ کے بارے میں اطلاع کیوں منگواتے۔مثنوی کی تصنیف کے بعد غالبؔ کے حال پر سلطان العلماء کا یہ التفات جناب کی معاملہ فہمی ہی نہیں کشادہ قلبی کو بخوبی واضح کرتا ہے۔

ان مسائل میں جو سلطان العلماء کی عام مقبولیت پر اثر انداز ہوئے عزاداری کا مسئلہ بھی تھا۔حدود شرع میں عزاداری کا فروغ غفرانمآب و آل غفرانمآب کا عمومی کارنامہ ہے۔سلطان العلماء کی خصوصیت یہ ہے کہ طبقۂ علماء کی وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے خود ذاکری کی۔اس وقت بھی..........مسلمانوں کے ایک چھوٹے مگر بااثر حلقے میں تعزیہ داری بدعت اور اس کے بعض مظاہر شرک کی حد تک شمار کئے جاتے تھے۔یہ صورت حال بھی منافی قربت تھی۔یہی سب مسائل تھے جن سے سلطان العلماء کو مدت العمر سابقہ رہا۔انگریزی مفاد کے ترجمان تاریخ نگاروں نے انہیں نشانۂ ستم اس لئے بنایا تا کہ انگریزوں کی مداخلت کا جواز ثابت کر سکیں۔اس کے لئے انہیں نظم و نسق کے ہر شعبے کو ہر پہلو سے بدنام اور رسوا کرنا تھا۔ان تاریخ نگاروں میں کمال الدین حیدر غالباً ابوطالب اصفہانی کے بعد سب سے اہم شخص ہیں۔اس لئے ان کی تحریر میں سلطان العلماء کی سیرت پاک کی نسبت سوء ظن کے نہایت ناپاک اشارے پائے جاتے ہیں۔

سلطان العلماء کی خوش طبعی کے ذکر کے بغیر ان کی شخصیت کا خاکہ مکمل نہیں ہو سکتا۔اس کے بے

شمار واقعات ہیں جن میں سے چند یہاں پیش کئے جاتے ہیں تاکہ جناب مفتی صاحب کی اس مدح سرائی کی وضاحت ہوسکے ۔

حسن خلق وخوف محشر از جناب شاں نگر
خندہ برلب داشتند ودیدۂ تر داشتند

ا۔ رفیق الدولہ نے کسی تقریب عروسی میں قبلہ و کعبہ کے سامنے طلائی اوگالدان بڑھادیا۔ آپ نے ان کو غور سے دیکھ کر فرمایا ''ہم سونے اور چاندی پر تھوکتے بھی نہیں۔''

صاحب تاریخ سلطان العلماء تبصرہ کرتے ہیں کہ ''امام اہلسنت (علامہ فخر الدین رازی) نے بھی اپنی تفسیر میں سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال پر حرمت کی صراحت کی ہے۔

(مفاتیح الغیب ص ۵۹۱ مکتبہ ممتاز العلماء لکھنؤ)

۲۔ پالکی پر تشریف لے جارہے تھے ، کوئی صاحبزادہ ساتھ تھا، کھلونوں کی دوکان دیکھ کر مچل گیا۔ سواری روک کر آپ نے مٹی کے کھلونے خریدے۔ ایک ملائے مسجد کی نظر پڑگئی ۔ حیرت سے کہا ''آپ اور بت پرستی'' فرمایا کہ ''ہم چاہتے ہیں کہ بچوں کے ہاتھ سے بت شکنی ہو۔''

۳۔ لکھنؤ میں ایک قاری صاحب وارد ہوئے جن کو اپنے فن تجوید وقرأت پر بڑا ناز تھا۔ باربار کہتے تھے کہ ''جس کا نکاح میں نہ پڑھوں گا وہ صحیح نہ ہوگا'' کسی صحبت میں قبلہ وکعبہ سے ملاقات ہوگئی ۔ جناب نے پوچھا کہ ''قاری صاحب آپ کی والدہ کا نکاح کس نے پڑھا تھا'' اس کے جواب میں قاری صاحب نے مستقل خاموشی اختیار کرلی۔

۴۔ نواب فقیر محمد خاں گویاؔ نے ایک معزز عالم کو بھیج کر کہلایا کہ ''آپ شیعوں کے قبلہ وکعبہ کہلاتے ہیں اور لذائذ دنیا میں ایسے منہمک ہیں کہ بغیر متعہ کسی دن چین نہیں آتا؟

ع۔ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

فرمایا کہ کعبے سے کفر کہاں اٹھا تھا!

۵۔ بعد انتزاع اودھ ایک پادری صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ مسلمانوں میں جہاد کا بڑا رواج ہے ۔'' جناب نے فرمایا ''غیبت امام میں جہاد کہاں'' انہوں نے کہا اچھا بعد ظہور تو آپ ہم پر جہاد کریں گے؟ فرمایا کہ ''ظہور حضرت عیسیٰ بھی ہوگا وہ جو ہمیں فرمائیں گے اس پر عمل کریں گے۔''

۶۔ ایک پادری نے کہا: جب امام حسینؑ کو شہید کیا جارہا تھا تو محبوب خدا نے اللہ سے نہیں کہا کہ اللہ! حسینؑ کو قاتلوں سے بچالے۔ آپ نے باوقار تبسم کے بعد فرمایا کہ ''محبوب خدا نے خدا سے کہا تھا مگر بارگاہ الٰہی سے جواب ملا آپ نہیں جانتے ان بدبختوں نے میرے بیٹے عیسیٰ کو سولی پر لٹکا دیا جب اپنے فرزند کو میں نہ بچا سکا تو جناب والا کے نواسے کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔''

سانحۂ ارتحال :- ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء) میں لکھنؤ میں زبردست ہیضہ پھیلا ۔ نماز اموات میں

سلطان العلماء کو غیر معمولی تعب کا سامنا ہوا۔ ۲۱ ربیع الاول کو جناب خود مبتلا ہو گئے۔ آخری نماز مغربین جس کا چرچا نصف صدی تک زبانوں پر رہا، اس طرح پڑھی کہ یاد الٰہی سے مرض غافل نہ کر سکا۔ تکبیرۃ الاحرام میں دونوں ہاتھ نرمۂ گوش تک، اللہ اکبر کا صحیح تلفظ، تشنج میں کانپتے ہاتھوں کو وقت تکبیر اٹھاتے رہے۔ مگر افسوس شدت مرض نے علامات حیات کو دیر تک جسم میں قائم رہنے نہیں دیا۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۲۸۴ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۸۶۷ء دس بجے رات کو حرارت غریزی مستقر سے خارج ہوئی اور کلمۂ طیبہ پڑھ کر یہ آفتاب اجتہاد افق ہستی سے ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ (تاریخ سلطان العلماء ص ۱۳۴)

نماز میت ممتاز العلماء فخر المدرسین سید محمد تقیؒ نے پڑھائی۔ مجمع اتنا کثیر تھا کہ نماز جماعت کے لئے امام باڑہ آصف الدولہ کا صحن منتخب کیا گیا تاکہ اگر ضرورت ہو تو شرقی عمارت کی چھت پر صفیں قائم ہو سکیں۔ نماز کے بعد جنازہ امام باڑہ غفرانمآب لایا گیا۔ شہ نشین میں زیر ضریح سپرد خاک کئے گئے۔ تیسرے دن مجلس سیوم ہوئی جس میں سید الذاکرین میر سید علی صاحب نے ذاکری کی۔

شعراء نے قطعات تاریخ میں بڑی دلچسپی لی ہم یہاں چند منتخب تاریخیں پیش کرتے ہیں:

(۱) **مفتی میر عباسؒ**

سال تاریخ وفاتش را چو می پرسی ز من
آسمانے بود بالا از زمین برداشتند

۱۲۸۴ھ

(۲) **منیرؔ شکوہ آبادی**

بہر تاریخ وفات آں ملاذ الاصفیا
سال ہجری و مسیحی فکر کردم اے منیرؔ
یافتم در مصرع واحد دو تاریخ این چنیں
وائے خضر عقل کل، ہے ہے امام بے نظیر

۱۸۶۷ء ۱۲۸۴ھ

(۳) **امیر اللہ تسلیم**

چو جناب قبلہ عالم ز دار بے مدار
شد بجنّت دردلم فکر سن تاریخ گشت
شد طریقت لنگ، بے سر شد شریعت زہد نیر
۳۱۹ + ۶۸۰ ۹
سینہ بشگافید واز آرام وتقویٰ در گذشت
۱۰۸۰ - ۵۰۶ = ۷۷۸ = ۱۲۸۴

(۴)

گفت تسلیم حزیں سال وفات
باز راہ خلد را آباد کرد

(۵) **لامعلوم**

سنّیم من مگر از ان مخدوم
بود چوں جاں یک اعتقاد بدل
زیں سبب در سن وفات دوبار
گفتہ ام باں، یک اعتقاد بدل
۶۴۲ × ۲ = ۱۲۸۴ھ

نوٹ:۔ قطعات تاریخ بھی تاریخ سلطان العلماء سے مستفاد ہیں۔

(مضمون مصنف کی کتاب ''امجد علی شاہ'' سے ماخوذ ہے)

امام الجمعہ قدوۃ العلماء

جناب ڈاکٹر محمود الحسن صاحب مرحوم رائے بریلوی

یہ مضمون قدوۃ العلماء کی وفات حسرت آیات کے وقت ضبط تحریر میں آیا تھا مگر چونکہ اس نثر پارے میں آقائے قوم کی حیات ہدایت آموز پر کافی روشنی پڑتی ہے اس لیئے اس موقع پر اس کی اشاعت ضروری سمجھی گئی۔ (ادارہ)

فتھدمت واللہ ارکان الھدیٰ

جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اعلیٰ اللہ مقامہ کی تاریخ ان الفاظ سے کسی نے کہی تھی۔ آج یہ پاک الفاظ جناب قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ ونور اللہ مرقدہٗ کے ماتم پر کس قدر پورے اترتے ہیں۔ ارشاد و تبلیغ، وعظ و ہدایت کے ارکان اس فرد روزگار ہستی کے سپرد خاک ہونے سے منہدم ہوکر خاک میں مل گئے۔ اصول فقہ کا کامل دنیا سے اٹھ گیا۔ جناب میر آغا صاحب طاب ثراہ کے بعد مرحوم کے خصوصیات فقہ وکلام بدرجۂ اتم جناب قدوۃ العلماء میں پائے جاتے تھے اور کیوں نہ پائے جاتے گو جناب قدوۃ العلماء کا وطن مالوف جائس تھا اور گو حضرت قدوۃ العلماء میں علم دین موروثی تھا لیکن میر آغا صاحب مرحوم کی تربیت نے آپ کے علم و فضل میں چار چاند لگا دیئے تھے آپ کے پردادا مولانا سید ولی محمد حسین صاحب مرحوم قبلہ ایک عالم جید تھے آپ کے دادا مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ مرحوم بھی اپنے زہد و اتقا، فضل و کمال اور ایثار کے لیے بڑے ممتاز بزرگ تھے۔ آپ کے چچا مولانا کلب باقر صاحب قبلہ مرحوم مجتہد نے تقریباً تمام عمر کربلائے معلی میں صرف کی اور اس مرتبۂ اعلیٰ پر فائز ہوئے کہ حرم میں آپ پہلے ہندی تھے جن کا مصلیٰ قائم تھا اور تمام علمائے کربلا و نجف میں آپ منتخب سمجھے جاتے تھے آپ کے فرزند ارجمند مولانا سید کلب مہدی صاحب قبلہ بھی اسی پایہ کے مجتہد ہیں غرضکہ ادھر تو یہ خاندانی قابلیت اور استعداد اکتساب علم بھی موجود تھی۔ ادھر جناب مولانا سید کلب عابد صاحب قبلہ جیسے زاہد متقی اور عالم باعمل باپ کی آغوش اور جناب میر آغا صاحب مرحوم جیسے ماموں کے سایہ عاطفت میں پرورش اور تعلیم پا کر حضرت قدوۃ العلماء ایک آئینہ علم و اخلاق ہو گئے تھے اس پر مرحوم کی وہبی اور قدرتی صفات اخلاق ایسی تھیں گویا قدرت نے مرحوم کے مذہبی پیشوا بنانے کا فیصلہ پہلے ہی سے کرلیا تھا اور اس کے بعد تمام ان صفات کو جو کسی عالم باعمل میں ہونا چاہئیں مرحوم کی ذات میں جمع کر دیا تھا۔ حقیقت میں یہ مصرعہ مرحوم پر صادق آتا تھا۔

ع ـــــ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ہر بڑے شخص میں کوئی نہ کوئی خاص خوبی ضرور ہوتی ہے لیکن ایسا کم ہوتا ہے کہ ہر اعلیٰ صفت کی ایک ہی ذات مخزن ہو یہ مرحوم ایسے ہی مستثنیات میں سے تھے۔ حسن ظاہری اور حسن باطنی اور اس کے جتنے پرتو علم و

اخلاق و معاشرت اور مذہب پر پڑ سکتے تھے ان سب کی چمک مرحوم کی اکیلی ذات میں نظر آتی تھی۔علم دین میں کامل، اخلاق کا مجسمہ، معاشرت کی اعلیٰ منزلوں کا سالک، مذہب کا محافظ، کون سا لقب ہے جو مرحوم پر بلا مبالغہ پورا نہیں اترتا۔فیض علم ایسا کہ ہمیشہ دوسروں کی اصلاح اور مذہبی تربیت حضرت قدوۃ العلماء نے اپنا اصول زندگی رکھا۔ابتدائی عمر سے آپ کو تبلیغی رسائل کے شائع کرنے اور کتب دین کے جمع کرنے کا شوق تھا چنانچہ باوجود اپنی کم استطاعتی کے مرحوم نے ایک بڑا ذخیرہ نادر کتب دینی کا جمع فرمایا تھا اور جناب غفرانمآب اعلیٰ اللہ مقامہ کی نادر اور عدیم المثال تصنیفات مثل عماد الاسلام کی اشاعت اور اسکی ترویج آپ نے ایک چھاپہ خانہ قائم کر کے شروع کر دی تھی اور ایک رسالہ معالم جو تبلیغی رسالہ تھا خود اپنی ادارت میں شائع کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد ضروریات زمانہ اور مصالح وقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مرحوم نے صدر الصدور کانفرنس امامیہ اثنا عشری کی بنیاد ڈالی۔یہ وہ زمانہ تھا کہ شیعی دنیا لفظ کانفرنس کیا کسی جمہوری ادارہ کے نظام اور طرز عمل سے بالکل ناواقف تھی۔جناب قدوۃ العلماء نے اس کا احساس کر کے کہ دنیا پرستی کا بڑھتا ہوا سیلاب کہیں دینداری کو بالکل فنا نہ کر دے علماء کے زیر اثر قومی ادارات کا رکھنا عین مصلحت سمجھا اور باوجودیکہ دیگر ہم عصر علماء کانفرنس کی طرف زیادہ رغبت نہ رکھتے تھے اس پر یہ قدوۃ العلماء ہی کا اثر تھا کہ ان حضرات کو بھی کانفرنس کی طرف لے آئے اور ایسی تن دہی سے کانفرنس کی ترقی کے لیے سعی کی کہ پہلے ہی سال جب انجمن صدر الصدور کو مشاورتی کانفرنس کی شکل میں تنظیم فرمایا تو حضور کی دعوت پر ہزار ہا حضرات بیرونجات کے لکھنؤ میں جمع ہو گئے۔جن لوگوں نے کانفرنس کی ابتدا دیکھی ہے انہیں یاد ہے کہ آپ نے اس کی تشکیل اور بقا میں کیا کیا عرق ریزی اور جدوجہد نہیں کی!

کانفرنس کے دفتر کی طرف بارہا یہ بزرگ ہاتھ میں چھتری یا چھڑی لیے دوپہر میں پیدل جاتے ہوئے دیکھے گئے ہیں اور سید علی غضنفر صاحب مرحوم کے ساتھ آج کل کے برقی پنکھوں کے نیچے نہیں دم گھٹانے والی گرمی میں اور چھوٹے چھوٹے کمروں میں مشورہ کرتے ہوئے پایا گیا ہے۔اور ان سب میں ذاتی نمود یا وجاہت کا ذرا سا بھی شائبہ نہ تھا ہوتا تو جب کانفرنس معراج ترقی پر تھی اور اس کی صدارت علمائے ملت کو ان کے رہبر دین ہونے کی تصدیق میں دی جاتی تھی اس وقت آپ بھی اس کی صدارت کو قبول فرماتے، مگر کبھی ایسا نہیں کیا۔کئی کئی بار آپ کو صدارت کانفرنس دی گئی مگر ہمیشہ آپ نے یا تو انکار کر دیا یا کسی دوسرے کو اپنا نائب مقرر کر دیا۔تمام علمائے لکھنؤ کانفرنس کی بڑھتی ہوئی جمہوریت کی رو سے اس کے آغاز کے چار ہی چھ سال بعد کنارہ کش ہو گئے مگر مرحوم ہی کی ذات ایسی دلیر، مستقل اور بات کی دھنی تھی کہ جب تک مرحوم کی کانفرنس میں شرکت خود کانفرنس کے لیے مرحوم کے تجربہ میں مضر اور مرحوم کے یقین کے نزدیک خلاف مصالح شرعی نہیں ہو گئی اس کا ساتھ نہیں چھوڑا اور اس کے بعد بھی اس کے اداروں سے تعلق باقی رکھا چنانچہ یتیم خانہ پر توجہ برابر مبذول رکھی۔

قدوۃ العلماء کی مذہبی اور قومی خدمات سے تو سارا ہندوستان اور عراق وعجم سب ہی واقف ہے مگر مرحوم کی ذاتی خصوصیات اور محاسن اخلاق سے شاید وہ لوگ جن کو مرحوم سے سابقہ نہ پڑا اور واقف نہ ہوں اس لئے ان کا تذکرہ ایک عالم کے عمل اور قوت عمل کا سرسری خاکہ پیش کرنے کے لئے ضروری ہے ۔ یہ سادگی کی تصویر جب سامنے آتی تھی تو مرحوم کے باطنی تاثرات ملنے والے کو مرعوب کردیتے تھے۔ اکثر دیکھا گیا کہ کھانا کھاتے وقت دال یا شوربا کم ہوا تو اپنا حصہ دوسرے کے سامنے بڑھا دیا اور اپنے پیالہ میں گرم پانی ملا کر کھانے لگے اور کہنے لگے کہ میرے دانت خراب ہوگئے ہیں جب شوربا یا دال میں روٹی خوب ڈوب جاتی ہے تو ہم بڈھوں سے خوب کھاتے بنتا ہے مگر جس نے جوانی میں بھی یہی دیکھا ہو اسے اس تقیہ سے کب تسکین ہوتی تھی اس پر اس قدر ان تھک کام کرنے کی قوت کہ اکثر راتوں میں رات بھر نہیں سوتے تھے اور صبح سے شام تک یا تو مشاغل علمی یا معاملات قومی میں یا مجلس ومحافل میں یا پرورش ایتام و بیوگان و متعلقین (جن مین اغیار کی تعداد نوے فیصدی تھی) میں دوڑا کرتے مگر کبھی کسلمند نہ ہوتے۔

متواضع ایسے کہ کوئی مہمان آئے ایک دن یا مہینوں آپ کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا کہ کب آیا اور کتنے دن رہا ہمیشہ اس طرح سے رخصت کرتے کہ گویا آج ہی آیا ہے۔ آنے والے کی مدارات عجیب شان سے کرتے تھے کبھی چار پائی لیئے چلے آرہے ہیں کبھی بستر، کبھی کھانے کی سینی، کبھی لوٹے میں پانی، مہمان دوڑ کر ہاتھ بٹانا چاہتا تو ہرگز نہ مانتے گھر میں کچھ نہ ہوتا تو ادھر ادھر سے دوڑ دھوپ کرکے اس کے لیے ایسی چیزیں پیش کرتے جو خود کبھی نہ کھاتے ۔ اپنے پرائے سب کے دکھ درد میں شریک، ہر مصیبت میں ہم نوا، ہر ایک حاجتمند کے مشکل کشا، ہر مذہبی خدمت میں آگے، جفاکش، نفس کش، صابر وشاکر، منعم ومنکسر ومتواضع، بردبار ؎

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

مرحوم کے مرنے نے اخلاق عمیم اور علم باعمل کو صفحۂ روزگار سے مدتوں کے لیے معدوم کردیا۔ ایسی ذات اور ایسا ناخدائے ملت و مذہب، زمانہ کئی کروٹیں بدلے گا تب پیش کر سکے گا غرض جناب مرحوم اپنے جد اعلیٰ حضرت غفرانمآبؒ کے بہت سے اوصاف کا نمونہ تھے۔

بیان کس سے کروں ماجرائے درد جگر
جگر کو تھام کے کہتا ہوں ہائے درد جگر

اب آپ کے جانشین و وصی اور اپنے باپ کی صورت وسیرت کی تصویر حضرت عمدۃ العلماء جناب مولانا ومولوی السید کلب حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر والزمان مدظلہ العالی اپنے باپ کے تمام فرائض ادا فرمارہے ہیں ۔ جن کو خود حضرت قدوۃ العلماء طاب ثراہ نے اپنی حیات ہی میں اپنے تمام کام سپرد فرمادئے تھے۔ اس وقت لکھنؤ کے سے مرکز علم میں امامت نماز جمعہ آپ ہی کی ذات سے وابستہ ہے۔ نیز جناب موصوف کا شمار اس وقت ہندوستان کے بے نظیر واعظین میں کیا جاتا ہے۔

آقائے قوم

قدوۃ العلماء غفران مکان طاب ثراہ

سید مصطفی حسین نقوی اسیفؔ جائسی (مدیر ماہنامہ ’شعاع عمل‘ لکھنؤ)

دنیا میں بہت سے لوگ کچھ کر گذرتے ہیں اور کچھ لوگ بہت کچھ کر گذرتے ہیں۔ انہیں بہت کچھ کر گذرنے والوں میں سے معمار قوم، محیی الملۃ، آیۃ اللہ العظمٰی السید کلب صادق النقوی الکمل جائسی المعروف بہ قدوۃ العلماء مولانا السید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد کی ذات والاصفات تھی۔ جنہوں نے فرائض منصبی وترقی ملت کوملحوظ رکھتے ہوئے عرفان خودی کے تحت بہت کچھ کیا۔

فخر قوم خان بہادر مولوی سید کلب عباس نقوی جائسی (سکریٹری آل انڈیا شیعہ کانفرنس) ہفتہ وار ’پیام نو‘ لکھنؤ کے عمدۃ العلماءؒ نمبر میں صفحہ ۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ’’جناب قدوۃ العلماء مولانا آقا حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ کو بجاطور پر محیی ملت کہا جاسکتا ہے۔ غفرانمآب اعلیٰ اللہ مقامہ محیی مذہب جعفریہ تھے اور جناب قدوۃ العلماء محیی ملت جعفریہ تھے۔ دونوں گوشہ نشین، مگر اپنے انوار تبلیغ و ارشاد سے مطلع انوار ہدایت ہوئے۔ دونوں کی سادہ زندگی اور فرشتہ خصلتی دنیا کے لیئے نمونۂ عمل بن گئی۔ دونوں میں اخلاقی جرأت اور بے ہراس تبلیغ حق کی قوت عملی اس پایہ کی تھی کہ اس کے لیئے انہوں نے اپنی زندگیاں وقف کردیں۔ جناب غفرانمآبؒ نے جب مذہب کوخطرہ میں پایا تو بے خطر اپنے تئیں تبلیغ حق کے لیئے نذر کردیا۔ اور سیکڑوں کتابیں جو عماد اسلام ہی نہیں عمود اسلام ہیں تصنیف فرما کر کفر والحاد وارتداد کے سیلاب کو روکا۔ حضرت قدوۃ العلماء نے باوجود غفرانمآبؒ سا سازگار اور مساعد وقت نہ پانے کے بلکہ اس کے برعکس مخالف ماحول پانے کے احیائے ملت جعفریہ کا بیڑا اٹھایا۔ ان کا زمانہ شاہان اودھ کا زمانہ تھا اور قدوۃ العلماء کا زمانہ برٹش نظام کے مطابق جمہوری دستور کا دور دورہ تھا۔ ہر چیز مشاورتی عنوان سے طے اور جمہوری نظام کے مطابق چلتی تھی۔ اسلام ’’شاورھم فی الامر‘‘ کا حکم تو دیتا تھا مگر ایسے مشورے کو تابع حکم شریعت کرتا تھا۔ جناب قدوۃ العلماء نے اسی معیار پر آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی بنیاد ڈالی اور اس کا اساسی اصول یہ رکھا کہ اس کانفرنس کی کوئی تجویز یا اس کا کوئی عمل خلاف شریعت اور منافی احکام شرعیہ نہ ہوگا۔ ۱۹۰۷ء میں یہ اساسی اصول ڈالا گیا اور اب تک یعنی ۱۹۶۳ء تک نہیں بدلا۔‘‘

سلسلۂ نسب پدری:۔

قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب مجتہد

بن مولانا سید کلب عابد بن مولانا سید کلب حسین جائسی بن رئیس العلماء مولانا السید ولی محمد حسین صاحب قبلہ جائسی مجتہد بن مولوی سید علی سجاد بن ملا سید فصیح اللہ بن ملا سید یوسف علی (استاذ بہادر شاہ ظفرؔ) بن ملا سید عصمت اللہ (صدر الصدور دہلی) بن ملا سید لطف اللہ بن مولوی سید بدیع الزماں بن میر فتح اللہ بن سید ارشد بن سید سلیمان بن سید زکریا جائسی (فاتح دوم نصیر آباد) بن سید خضر بن سید تاج الدین بن قاضی سید نصیر الدین جائسی (فاتح اول پٹا کپور یعنی نصیر آباد) بن سید علیم الدین بن سید علم الدین بن اشرف الملک نواب سید شرف الدین متوفی ۴۲۵ھ (والیٔ علاقۂ جائس) بن اشجع العصر فقیہ الاسلام علامہ ملا نواب نجم الملک سید نجم الدین سبزواری فاتح جائس متوفی ۱۰۲۷ء (المدفون بارض بنارس) ابن سید علی بن سید ابو علی بن سید ابو العلی بن سید محمد بن سید ابو طالب حمزہ، بن سید محمد طاہر ثانی بن شاہزادہ سید طاہر عراقی بن سید ابو عبد اللہ جعفر ثانی بن امام دہم حضرت علی نقی علیہ الصلوٰۃ والسلام

سلسلۂ نسب مادری:۔

قدوۃ العلماء سبط عمدۃ العلماء صدر الشریعۃ آیۃ اللہ فی الانام سید محمد ہادی مجتہد بن شریعتمدار آقا السید مہدی مجتہد بن محیی الملت والدین مجدّد اکبر برّصغیر مجتہد اعظم ہند مولانا السید دلدار علی نقوی نصیر آبادی غفرانمآب رحمہ اللہ۔

ولادت:۔

جناب قدوۃ العلماء (تاریخی نام افتخار ۱۲۸۲ھ) ۶ ربیع الاول ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۵ء کو بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔

اسلاف قدوۃ العلماء:۔

سید الادباء مولانا سید محمد باقر شمسؔ (صاحب تاریخ لکھنؤ) تحریر فرماتے ہیں کہ "بنی ہاشم خصوصاً خاندان رسالت ہمیشہ علم اور شجاعت دو جوہروں کا مالک تھا اور یہ دونوں جوہر آج تک قدرتی وراثت کے طور پر ہمیشہ منتقل ہوتے رہے۔ بیشک ان کے ظہور کے موقع مختلف تھے جب تقیہ کی گھٹائیں چھائیں، زبان اور قلم پر پہرے بیٹھے تو علم سینوں کے اندر چراغ زیر داماں کی صورت مخفی رہا اور سپاہیانہ زندگی کے پردے میں شجاعت نے اپنے جوہر دکھلائے۔ لیکن جب امن وامان کا آفتاب نکلا اور تقیہ کا پردہ ہٹا تو وہ علمی جوہر جو تغافل زمانہ کے ہاتھوں قوت واستعداد کے پردے میں پنہاں تھا۔ فعلیت کے معرض میں آیا اور پھر وہ جلوہ گری دکھلائی کہ عالم بھر کی نظریں خیرہ ہوگئیں۔

نقوی سادات کے اس مقتدر خاندان کی تاریخ دو دوروں میں منقسم ہے۔ خلافت عباسیہ کا وسطی زمانہ اور غیبت صغریٰ کے بعد غیبت کبریٰ کا ابتدائی عہد، سادات کی مخالفت میں ظلم وستم کے سمندر کی کوہ پیکر لہریں، جبر و استبداد کی گھٹائیں اڈی ہوئی آپس میں، سادات کا بیڑہ اور وہ بھی بے ناخدا، اس عالم میں مظلوم سادات کے لیئے علمی مظاہروں کا کیا امکان تھا؟"

امام علی نقی علیہ السلام کے بعد انکی اولاد پر سامرہ

کی زمین تنگ ہوگئی تھی، جعفر کے بعد طاہر اور پھر محمد نے کسی نہ کسی طرح اپنی وضع کو نباہا۔ اور اس سرزمین سے جدا نہ ہوئے لیکن ۲۱ رمضان ۲۹۲ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ اور ابوطالب حمزہ کو سامرہ چھوڑ کر ایران جانا پڑا جہاں انہوں نے ۲/ربیع الاول ۳۱۰ھ شیراز میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ان کے بیٹے سید ابوالعلی محمد نے سبزوار میں جاکر قیام کیا اور وہیں ۲۸/صفر ۳۳۰ھ میں پیوند خاک ہوئے۔ اس کے بعد سے یہ شجرۂ طیبہ سبزوار ایسے دار الایمان میں پھلتا پھولتا رہا۔ یہاں تک کہ کئی طبقے نسل کے وہیں پیدا ہوئے جن میں سے اکثر صاحبان علم دین گذرے ہیں۔

فقیہ عصر نواب نجم الملک سید نجم الدین سبزواری ''فاتح جائس''

صاحب تذکرۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں کہ ''سید نجم الدین سبزواری منسوب بہ بلدۂ سبزوار کہ اشہر بلاد امامیہ است از امرائے سلاطین غزنویہ بود و بہ عزم نصرت سید سالار مسعود غازی بہ ہندوستان آمدہ۔ قلعۂ ودیانگر را مسخر فرمود و آن موسوم بہ ''جائے عیش'' شد کہ الحال ''جائس'' گویند۔''

صاحب تذکرۃ السادات نے نواب نجم الملک کو ''یکے از اتقیاء زمانہ بودند'' کہا ہے۔

جناب شمسؔ صاحب رقمطراز ہیں کہ ''سید نجم الدین سبزواری اپنے زمانہ کے علامۂ روزگار، فقیہ اور ساری رات مصروف عبادت رہنے والے متقی اور مشہور آفاق نبردآزما، شجاع و بہادر تھے کہ ان کی نظیر چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھی۔

سالار مسعود غازی کی نصرت و مدد کے سلسلہ میں سبزوار چھوڑ کر ہندوستان آئے اور بتاریخ ۱۷/رجب المرجب ۴۲۰ھ مطابق ۱۰۲۷ء قلعۂ ودیانگر کو مسخر کر کے اس کا نام ''جائے عیش'' رکھا جو کثرت استعمال سے جائس مشہور ہوگیا۔ اس وقت سے یہ قصبہ سادات نقویہ کا مسکن ہوا۔''

سید نجم الدین کا سلسلۂ مجاہدات فتح جائس کے بعد بھی قائم رہا۔ آپ نے اپنی فتوحات سے ظلمتکدۂ ہند میں جابجا توحید کے چراغ روشن کیئے۔ یہاں تک کہ ۱۰۲۷ء کے اواخر میں مشہور شہر بنارس میں عین جنگ کی حالت میں شہید ہوئے۔ قبر اس وقت بھی زیارت گاہ خواص وعوام ہے۔

نجم الملک کے بیٹے اشرف الملک سید شرف الدین بہادر باپ کی آغوش کے تربیت یافتہ خود بھی ایک ذی علم شجاع اور باہمت شخص تھے۔ فتح جائس کے بعد وہاں کی حکومت بھی باپ کی جانب سے انہیں کے نامزد ہوئی لیکن افسوس عمر نے وفا نہ کی اور باپ کے بعد صرف پانچ سال زندہ رہ کر ۲۲۵ھ مطابق ۱۰۳۲ء میں وفات پائی۔ ان کی اولاد نے بھی اپنے بزرگوں کے طرز عمل کے مطابق سپاہیانہ زندگی بسر کی اور ایک عرصہ سے جائس ہی اس خاندان علم وہنر و شرف و نجابت کا مرکز ہے۔

دار العلماء والشعراء ''جائس''

جائس کے مایۂ صد نازش و افتخار فرزند سید الواعظین، ملک الناطقین، شمس العلماء، امیر

الادباءوالشعراء، کلیم اہلبیت، خطیب اعظم، شیر اودھ علامہ سید سبط حسن نقوی فاطر جائسی اعلی اللہ مقامہٗ (متولد ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء متوفی ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء نے اپنی فارسی مثنوی "نقش اول" میں (جسے مرحوم نے چودہ برس کے سن ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں تصنیف فرمایا تھا) اپنے محبوب وطن جائس کی توصیف میں جسے ۹۳۶ھ مطابق ۱۵۲۹ء میں مشہور و معروف بطل جلیل ابوالفضل مہاکوی ملک محمد جائسی نے "دھرم استھان" کہا تھا، فرماتے ہیں:

یکے قصبۂ ہست جائس بنام   محل صنادید عالی مقام
ز سادات معمور د آباد ہست   چو سکان خود پاک بنیاد ہست
ہماں جا بہ بزم شہود آمدم   زکتم عدم در وجود آمدم
نحوست نیاید در آں مرز بوم   کہ عنقا ست مثل ہما ظل بوم
عجب خطۂ زیر افلاک بود   زشوب معائب بسے پاک بود
کنوں گشتہ از جور گردوں خراب   شدہ منتشر ہمچو تصویر خواب
جہاں رشک برداز بلندیٔ آں   غلط کرد دہر ارجمندیٔ آں
تباہی عمل کرد در بام و در   کہ کاخش فتاد از قضا و قدر
مگر ہست وصفے در آں سرزمیں   کہ کمتر بود زیر چرخ بریں
بہ ماہ محرم ہمہ سبز پوش   پۓ ابن حیدر ہمہ جاں فروش
برائے عزائے امام انام   نمایند با حسن نیت قیام
ہمہ مست جام مدام عزا   ہمہ جاں نثاران نام عزا
بود گریہ بر چشم آں فرض عین   بہ دل دا حسین بہ لب دا حسین
دل شاں ز نقد تولاّ غنی ست   درآں جا عزا دیدنی دیدنی ست
خلوص دلی ایں چنیں کمتر است   بہ ہر جا غم سبط پیغمبر است
بہ بخشد خدایم گناہان شاں   ز الطاف افزوں کند شان شاں
ز فرزند و مال و زعز و ز جاہ   بہ باشند دل شاد شام و پگاہ!!

(ماخوذ از سوانح "خطیب اعظم" مولفہ ابوالبراعہ علامہ سید ظفر مہدی نقوی گہر جائسی مدیر ماہنامہ "سہیل یمن" و شارح نہج البلاغہ)

یعنی بلند مرتبہ بڑے لوگوں کا مرکز، سادات سے آباد، بھرا پرا اور اپنے رہنے والوں کی طرح پاک بنیاد، جائس نامی جو ایک قصبہ ہے وہیں میں پیدا ہوا۔ اس سرزمین پر نحوست کا گذر نہ تھا اور وہاں سایۂ بوم ظل ہما کی طرح عنقا تھا۔ افلاک کے نیچے یہ عجیب خطہ تھا۔ ہر طرح کی برائیوں سے پاک، جس کا حال اب جور آسمان سے خراب ہوگیا ہے اور جس کا شیرازہ خواب کی تصویروں کی طرح منتشر ہوگیا ہے۔ دنیا جس کی بلندی پر رشک کرتی تھی زمانے نے اس کو پستی میں ڈھکیل دیا ہے اور اس کی شان و شوکت کو حرف غلط بنا دیا ہے۔ قضا و قدر نے اس کی عمارت کو ڈھا دیا ہے اور اس کے بام و در پر تباہی و بربادی کی عملداری ہے۔

مگر اس خرابی کے باوجود اس سرزمین میں ایک وصف ایسا ہے جو کہیں اور کمتر نظر آتا ہے یعنی یہاں محرم میں سب کے سب سبز پوش ہوجاتے ہیں اور حسینؑ ابن علیؑ پر جاں نثاری کے لیئے آمادہ۔ امام انام کی عزا کا حسن نیت سے اہتمام و انصرام کرتے، جام عزا سے سرمست رہتے اور عزا کے نام پر جان دیتے ہیں۔ وہ غم حسین میں گریہ کو فرض عین سمجھتے ہیں، ان کے دل بھی یا حسین کہتے ہیں اور زبان بھی۔ ان کے دل ولائے اہل بیتؑ کی دولت سے مالا مال ہیں اور جہاں جہاں بھی غم سبط نبیؐ برپا ہوتا ہے

وہاں یہاں کا سا خلوص کم ہی نظر آتا ہے غرض یہاں کی عزاداری دیکھنے کی چیز ہے، دیکھنے کی!!!

اللہ ان کے گناہوں کو بخش دے، ان کی عزت وشان میں اپنے لطف وکرم سے اضافہ فرمائے اور وہ ہمیشہ آل و دولت اور جاہ وعزت سے سرفراز وشاد کام رہیں۔!!

(ماخوذ از ''ہمارا جائس'' مصنفہ افتخار وطن سید کلب مصطفی نقوی جائسی ایڈوکیٹ مرحوم)

منشی تصدق حسین صدق جائسی تلمیذ علامہ جلیل مانکپوری اپنے مسدس ''تاریخ جائس'' میں فرماتے ہیں:

منبع فضل وکمال اے جائس اے دار العلوم
ہے ترے افراد کی دنیا کے ہر گوشہ میں دھوم
کیوں نہ ہو مشہور تو ہندوستاں سے تا بہ روم
کم نہیں یونان کے خطہ سے تیری مرز بوم
دیکھ کر تاریخ اور سن کے افسانے ترے
ہیں ہزاروں اہل دل نادیدہ دیوانے ترے
تیری آبادی میں ہے لطف بہار بے خزاں
تیرے نظارے سے حاصل تازگئ جسم وجاں
ہے سواد شہر تیرا روکش باغ جناں
چشمۂ کوثر سے شیریں تر ترا کھاری کنواں
وجہ تسمیہ تری سنتا ہوں سب سے جیش ہے
میں یہ کہتا ہوں کہ تو در اصل جائے عیش ہے
ہیں محلے تیرے یا بارہ بروج آسماں
تیری گلیاں ہیں کہ نکلی ہے زمیں پر کہکشاں
روشنی مہر تیرے ذرے ذرے سے عیاں
سر بلند اشجار پر ہوتا ہے طوبیٰ کا گماں
پردۂ دنیا میں ممکن ہی نہیں تیرا جواب
تیرے باشندے بھی لاثانی ہیں تو بھی لاجواب
ہیں تیرے بارہ محلے خلق میں بارہ امام
ہے اسی نسبت کی باعث تو جہاں میں نیک نام
دو محلوں میں ترے آباد سادات کرام
دس رہے، ان میں مشائخ اور بعد ان کے عوام
یوں تو ہیں سارے محلے ایک سے اک پُر بہار
ہے مگر ان سب سے بہتر منظر غوری سوار

فتح پٹا کپور

پانچویں صدی ہجری کے وسط میں قاضی سید نصیر الدین جائسی نے پٹا کپور کو جو جائس سے تھوڑے فاصلہ پر تھا، فتح کر لیا۔ اسی زمانہ میں ایک مسجد بھی وہاں بنوائی گئی جس کا مادۂ تاریخ ''مقام ابراہیم'' سے ۴۴۰ھ نکلتا ہے۔ جب ۱۲۶۶ھ میں اس مسجد کی از سرنو تعمیر ہوئی تو ''صل ھذا'' بڑھا کے مصراع تاریخ ''صل ھذا مقام ابراہیم'' سے پورا کیا گیا۔ جس کے عدد ۱۲۶۶ ہوتے ہیں۔

یہ نہ معلوم ہو سکا کہ قصبۂ مذکور پر سید نصیر الدین کا قبضہ کب تک رہا۔ اور ان کی زندگی ہی میں یا بعد میں کیوں اٹھ گیا۔ موصوف کی قبر مسجد منارہ جائس میں ہے۔

فتح نصیر آباد

سید زکریا جائسی نے شیر شاہ سوری کے زمانہ میں ظلم وستم مٹانے کے لیئے دوبارہ پٹا کپور پر حملہ کیا۔ رائے پرتاپ سنگھ یہاں کا ظالم وجابر راجہ تھا اس نے نکل کر مقابلہ کیا۔ آخر کار رائے پرتاپ شکست کھا کر بھاگا۔

سید زکریا نے اپنا تسلط کر کے وہیں قیام کر لیا اور اپنے جد سید نصیر الدین کے حملے کی یادگار میں اس کا نام نصیر آباد رکھا جو حضرت غفرانمآبؒ کا مولد ہے۔

جب ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست خوردہ ہو کر ایران چلا گیا تو کچھ دنوں بعد جائس میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ ہمایوں پھر آ رہا ہے۔ پرچہ نویس کے ذریعہ سے یہ خبر شیر شاہی دربار تک پہونچی تو جائس معرض عتاب میں آیا اور اس کے کھودڈالنے کا حکم ہوا۔ یہ خبر سنکر اہل جائس 'منگرا' کے بن میں جو جائس سے کچھ فاصلہ پر تھا، قیام پذیر ہوئے۔ اسی زمانہ میں نصیر آباد پر بھی عتاب سلطانی ہوا۔ یہ لوگ نصیر آباد سے قریب ''کٹراڈیہہ'' میں پناہ گزیں ہوئے کچھ زمانے کے بعد جب جانشین بادشاہ کا آباد ہونے کے سلسلہ میں حکم ملا تو سب اپنے اپنے وطن واپس آئے۔ لیکن مشہور زمانہ ''پدماوت'' کے مصنف ملک الشعراء مہاکوی ملک محمد جائسی کو ''منگرا'' کا جنگل اس قدر پسند آیا کہ اسکو عبادت کے لیئے منتخب کر لیا اور وہیں عہد اکبری میں عالم فانی سے کوچ کیا۔ آپ کی توصیف رضاؔ جائسی اس طرح فرماتے ہیں:

اسی جائس ہی کے تھے وہ ملک خوش اقبال
جس نے بھاشا میں دکھایا ہے بڑا اپنا کمال
اب کہ جب ملک میں ہر سمت ہے ہندی کا سوال
دور اندیشی پہ آج ان کی تصانیف ہیں دال
دم سے اس جائسی کے نام وطن روشن ہے
شمع اک ایسی جلادی کہ چمن روشن ہے

اس تمام عرصہ میں علمی کمالات کا جوہر گویا نذر تغافل تھا اور شجاعت ہی اپنے کامیاب ترین مظاہرے پیش کر رہی تھی۔ البتہ اگر کسی کو موقع مل گیا تو اس نے اپنا علمی جوہر بھی دکھا دیا۔ چند ایسے حضرات بھی پیدا ہوئے جن کا علمی جاہ و منصب بھی ذکر کے قابل ہے۔ ان میں ایک نام علامہ ملا سید عبدالقادر نقوی جائسی کا ہے جو ۱۱۲۱ھ میں بہادر شاہ اول کے استاد تھے اور آخر میں شاہزادہ مرزا معظم کی تعلیم بھی انہیں کے سپرد ہوئی تھی۔ انہیں کی تعلیم کا اثر تھا جو بعد میں بہادر شاہ کے اعلان تشیع کی صورت میں ظاہر ہوا جس کا ذکر تاریخ کے صفحات پر آج بھی موجود ہے۔ ان کو بارگاہ سلطانی میں اتنا تقرب حاصل ہوا تھا کہ سات لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر عطا ہوئی جس میں تحصیل سلون، رائے بریلی اور ڈلمئو شامل تھے۔

قاضی سید بڑے اولاد نجم الدین میں پہلے شخص تھے جو عہد اکبری سے پہلے عہدۂ قضا پر مامور ہوئے۔ پھر علامہ سید حسین (تاج بخش) عظیم منصب پر فائز ہوئے ان کے بعد ملا سید پیارا حسینی (صوبہ دار علاقۂ الہ آباد) اکبری حکومت کی طرف سے جاگیردار ہوئے اور آپ ہی نے جائس میں عزاء امام حسین علیہ السلام کو فروغ دیا۔ اسی خاندان کی ایک شاخ ملا عصمت اللہ صدر الصدور دہلی ہوئے۔ حالت تقیہ میں بسر کرنے کی وجہ سے دینی خدمتوں سے قاصر رہے۔ انکے بعد انکے پوتے سید نعمت اللہ قاضی القضاۃ کے درجہ پر فائز ہوئے پھر انکے بیٹے سید قربان علی عہدۂ قضا پر مامور ہوئے۔ ایسے ہی ملا سید عبد

الکریم پنج ہزاری منصب پر فائز ہوئے۔ ویسے تو جائس میں اس خاندان نیز دیگر خاندانوں میں ہزاروں صاحبان علم و کمال گذرے ہیں جن میں ایک ذات سر سید عبداللہ لندنی کی بھی ہے جو مسلمانوں میں پہلے ایسے ریفارمر ہیں جو واجد علی شاہ کے زمانے میں انگلستان گئے اور کیمبرج یونیورسٹی میں ''السنۂ مشرقیہ'' کے پروفیسر ہوئے۔ رضاؔ جائسی جائس کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس فلک کے نہیں کس جا پہ قمر چمکے ہیں
جا کے لندن میں بھی جائس کے گہر چمکے ہیں

قدوۃ العلماء کے اجداد میں ملا سید عصمت اللہ علامۂ زمان وصدر الصدور دہلی تھے جن کے فرزند ارجمند ملا سید یوسف علی بہادر شاہ ظفرؔ بادشاہ ہند کے اتالیق تھے جس کے صلہ میں ضلع رائے بریلی میں جناب کو بہت سے دیہات معافی میں ملے تھے۔ ملا یوسف علی کے فرزند ملا سید فصیح اللہ بھی علم و کمال میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے بیٹے مولوی سید علی سجاد بھی صاحب علم و فضل تھے اور آپ ایسے بلند اقبال وخوش بخت انسان تھے جنہیں اللہ نے ایسا بیٹا عطا کیا جسے زبانوں اور قلموں نے مبلغ عظیم ،رئیس العلماء اور مجتہد کہا بھی ،لکھا بھی ۔یعنی مولانا سید ولی محمد حسین نقوی جائسی صاحب طاب ثراہ ،جنہوں نے تبلیغ اسلام و خدمت قوم میں عمر بسر کی اس وقت جب ذرائع سفر کم اور سست تھے جذبہ ترقی مذہب وقوم کے سبب سفر آپ کا مقدر تھے اور یہی شوق اشاعت دینی و خدمت قومی آپ سے آج تک آپ کی نسل میں وراثۃً چلا آرہا ہے۔

قاضی الحاجات پروردگار سے رئیس العلماء کو دو اہل علم و فضل فرزند ملے پسر بزرگ مولانا سید کلب حسین نقوی جائسی مجتہداور پسر خرد مولانا سید مہدی رضا نقوی المعروف بہ سید کلب حسن صاحب تھے۔رئیس العلماء کے دونوں فرزندوں میں مشہور و نامور مولانا سید کلب حسین صاحب ہوئے جو رئیس العلماء کے جانشین بھی تھے۔

معتبر افراد نے لکھا ہے کہ مولانا سید ولی محمد حسین صاحب کے یہاں کوئی بچہ زندہ نہ رہتا تھا۔ ہر بچہ زچہ خانہ کے اندر ہی مر جاتا تھا جب اس منور قسمت (مولانا سید کلب حسین) نے غمخانۂ عالم فانی میں قدم رکھا تو یوم عاشور تھا۔گھر خاندان کے لوگ عزائے سید الشہداء میں مصروف تھے باپ بعد طہارت گھر سے متصل اپنے حسینیہ (واقع محلہ کردانہ قصبہ جائس ضلع رائے بریلی) میں لائے اور عزاخانے میں سامان عزا کے سائے میں اس دعا کے ساتھ ڈال کر رخصت ہو گئے کہ مولا اس عزادار کو بچا لیجئے۔بچہ زندہ رہا تو اسے کلب حسین کے نام سے یاد کیا۔ یہ وفاداری کی علامت لفظ یعنی ''کلب'' اس خاندان وفادار محمدؐ وآل محمدؐ کے لئے سرمایۂ افتخار ہے بلکہ یہ لفظ اب اس خاندان میں نہ محدود رہ کر اور بہت سے امور کی طرح بصورت تائید وتقلید ہندو پاک میں مستعمل ہے۔

مولانا سید کلب حسین کی ذات والا صفات کا کیا کہنا ،جس کی حیات ہی عطیۂ سید الشہداء ارواحنا لہ الفداء ہو وہ ان کے مشن کے لئے کیا نہ کرے گا چنانچہ کلب حسین

صاحب نے اپنی زندگی کو تبلیغ دین خدا و ترویج عزائے سید الشہداء علیہ السلام کے لئے وقف کر دیا تھا۔

موصوف عربی اور فارسی میں شاعری بھی فرماتے تھے۔ وفات جنت مآبؒ سے متاثر ہو کر موصوف نے ایک مرثیہ عربی میں نظم فرمایا تھا جس کے آخر میں تاریخ بھی ہے اور چند قطعات تاریخ فارسی میں تحریر فرمائے تھے جو جرائد میں مطبوع ہیں۔

ایسے غلام پنجتن کو قسام ازل نے پانچ بیٹے مرحمت فرمائے اور پانچوں علمائے باعمل و ناشرین علوم اہل بیت علیہم السلام تھے۔

۱۔ مولانا سید کلب عابد نقوی جائسی امام جمعہ و جماعت ریاست عالیہٗ نانپارہ پدر عالیقدر قدوۃ العلماء

۲۔ آیۃ اللہ سید کلب باقر نقوی جائسی مجتہد متوطن و مدفون کربلائے معلیٰ پدر بزرگوار آیۃ اللہ سید کلب مہدی نقوی و آیۃ اللہ سید عبد المہدی صاحب قبلہ و آیۃ اللہ سید محمد مہدی صاحب قبلہ (مولانا سید کلب باقر صاحب و مولانا سید کلب مہدی صاحب دونوں باپ بیٹے امامان جماعت روضۂ حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام و معلمان درس خارج اور عربی زبان کے عظیم شاعر و ادیب تھے)

۳۔ مولانا سید کلب جعفر نقوی جائسی پدر محترم علامہ سید کلب احمد مآتیؔ جائسی و فخر قوم خان بہادر جناب سید کلب عباس نقوی ایڈوکیٹ و فخر وطن سید کلب مصطفی نقوی ایڈوکیٹ وغیرہم

۴۔ مولانا سید کلب رضا نقوی جائسی خویش سند المجتہدین علامہ جائسی مولانا سید علی حسن نقوی مجتہد

۵۔ مولانا سید کلب عسکری نقوی جائسی امام جمعہ و جماعت ریاست نانپارہ پدر سید کلب ذکی صاحب ہوشؔ جائسی

دادا مرحوم جناب مولوی سید رضا محمد نقوی رضاؔ جائسی تلمیذ حضرت مآتیؔ جائسی نے خانبہادر فخر قوم سید کلب عباس نقویؔ جائسی ایڈوکیٹ کے سانحۂ ارتحال پر جو تعزیتی مسدس لکھا تھا (جو سرفراز لکھنؤ کے کلب عباس نمبر میں شائع ہوا ہے) اس میں مشاہیر جائس کے تذکرے کے بعد کہتے ہیں ؎

شان مرحوم کے گھر کی بھی ہے اب پیش نگاہ
کیا شرف حق نے دیا ہے اسے اللہ اللہ
عصمت اللہ سا اس گھر کا ہے مورث ذی جاہ
علماء اس کے سدا دیں کے رہے پشت پناہ
آج بھی چشمۂ خیر و برکت جاری ہے
اس گھرانے پہ ابھی تک کرم باری ہے

اس گھرانے نے دیئے دہر کو دو کلب حسین
ایک تھا معجزۂ سبط رسول الثقلین
دوسرا زینت منبر بھی تھا مسجد کا بھی زین
ذاکر شام غریباں دل زہرا کا چین
فضل خالق سے عجب اس نے گہر پائے ہیں
لال پائے ہیں کہ دو شمس و قمر پائے ہیں

نہ فقط ہند تک اس گھر کی ہے دنیا محدود
اس کے افراد کا ہے کرب و بلا میں بھی وجود
تھا زبس جذبۂ خالص سے وہاں اس کا ورود
اس کو سرکار حسینی نے دیا نام و نمود
کسی ہندی نے جو پائی نہ وہ عزت دے دی
بھائی کے روضہ کی اس گھر کو امامت دے دی

والد ماجد قدوۃ العلماء:۔

مولانا سید کلب عابد نقوی جائسی داماد عمدۃ العلماء مولانا السید محمد ہادی مجتہد

آپ جائس میں پیدا ہوئے تعلیم اپنے والد ماجد و دیگر علمائے عظام خاندان اجتہاد سے حاصل کی ریاست نانپارہ میں اقامت جمعہ و جماعت فرماتے تھے۔ نہایت عابد و زاہد تھے۔ ریاست میں لوگ، رانی صاحبہ اور راجہ صاحب آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔

آپ کے سلسلے میں ایک واقعہ اس زمانہ کا مشہور ہے جب آپ لکھنؤ میں سکونت پذیر تھے کہ آپ کے مکان کے باہری حصہ میں ایک جامن کا درخت تھا جسے جوان ہوئے عرصہ ہو گیا تھا مگر پھل نہ دیتا تھا۔ ایک دن مصاحبین بیٹھے ہوئے تھے عقیمہ و غیر عقیمہ کا ذکر نکلا مولانا نے فرمایا کہ بعض ادعیہ و تعویذات ایسے ہیں کہ اگر ان کا استعمال کیا جائے تو ضرور حمل رہے اور بچہ پیدا ہو بلکہ عورت پر کیا منحصر اگر درخت کوئی پھل نہ لاتا ہو اور اس پر باندھ دیا جائے تو وہ بھی پھل لانے لگے۔ کسی نے کہا یہ درخت جامن جو سامنے موجود ہے مدتیں ہو گئیں بار آور نہیں ہوتا اسی پر تجربہ کیا جائے یہ سن کر مولانا اندر تشریف لے گئے اور تعویذ لکھ کر لائے اور اس شجر غیر مثمر پر بندھوا دیا اگرچہ جامن کی فصل نہ تھی مگر چند ہی دن میں وہ شجر بے ثمر پھول لایا اور خوب پھلا پھر جب تک وہ درخت باقی رہا خلاف فصل اسی زمانے میں پھولتا پھلتا رہا۔

ایک بار مولانا موصوف اور رئیس جرول حاجی سید ظہور حسین صاحب جرول سے لکھنؤ آرہے تھے۔ زمانہ بارش کا تھا، دریائے گھاگھرا میں طغیانی تھی، کشتی والے عبور دریا سے انکار کرتے تھے کہتے تھے کہ ابر گھرا ہوا ہے اگر پانی برسنے لگا تو دشواری ہو جائے گی۔ مولانا نے اصرار کیا اور فرمایا کہ ناؤ پر ایک بوند پانی نہ پڑنے پائے گا آخر ایک کشتی والا راضی ہوا اور یہ دونوں صاحبان کشتی پر سوار ہوئے۔ کشتی روانہ ہوئی، مولانا نے دو تعویذ لکھ کر کشتی میں ڈال دیئے اتفاقاً بہت شدت و کثرت سے بارش ہونے لگی مگر ناؤ اور ناؤ کے سواروں پر ایک قطرہ پانی نہ پڑتا تھا یہاں تک کہ ناؤ عبور کر کے دوسرے کنارے تک پہونچ گئی۔

جب مولانا کلب عابد صاحب نے قصد سفر عتبات عالیات کیا تو اپنے والد ماجد مولانا سید کلب حسین صاحب کو بصد اصرار و التماس ریاست نانپارہ لے گئے اور خود زیارات عتبات عالیات کے لئے روانہ ہوئے عتبات عالیات کی زیارتوں سے فارغ ہو کر مشہد مقدس رضوی میں ۱۲۸۳ھ میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔

آپ کی رحلت کے بعد آپ کے والد تا حیات ریاست نانپارہ میں مقیم رہے اور اقامت جمعہ و جماعت و

بیان مواعظ مسائل ضرور یہ فرماتے تھے ۔ ریاست اہلسنت کی تھی مگر مولانا کلب حسین کے اخلاق وتقدس وعلم کے سنی شیعہ سب معترف تھے جدھر سے جناب گزرتے لوگ اپنی دوکانیں یا اپنے کام چھوڑ کے تعظیم کے لئے کھڑے ہوجاتے ۔مولانا کے انتقال کے بعد آپ کے چھوٹے بیٹے مولانا سید کلب عسکری صاحب نے خدمت دین وامامت جمعہ وجماعت کے فرائض انجام دینے شروع کیئے ۔جب مولانا سید کلب عسکری صاحب بیمار رہنے لگے تب مولانا سید آقا حسن صاحب کی خواہش پر مکرم العلماء عمدۃ الفقہاء مولانا سید سجاد حسن زیدی مجتہد طوؔر جونپوری نے اس منصب کو قبول فرمایا۔

تربیت وتعلیم قدوۃ العلماء:۔

قدوۃ العلماء تقریباً ڈیڑھ سال کے تھے جب آپ کے والد ماجد کا مشہد مقدس رضوی میں انتقال ہوگیا اور چند مہینے بعد ہی یعنی جب آپ دو برس کے ہوئے تو والدۂ ماجدہ بھی داغ مفارقت دے کر پیوند خاک حسینیہ غفرانمآبؒ ہوئیں۔

جب قدوۃ العلماء کے سر پر والدین کا سایہ نہ رہا تو آپ کے چھوٹے ماموں فقیہ اہل بیت سرکار شریعتمدار عماد العلماء مولانا السید مصطفی المعروف بہ جناب میر آغا صاحب علیین مآبؒ نے اپنی اولاد کی طرح آپ کی پرورش فرمائی ۔ پانچویں سال جناب ممتاز العلماء فخر المدرسین مولانا سید محمد تقی صاحب قبلہ جنت مآب طاب ثراہ نے رسم تسمیہ خوانی ادا فرمائی۔اس کے بعد ابتدائی تعلیم مولانا مرزا کاظم حسین صاحب شاگرد عماد العلماء سے حاصل کی پھر مدرسۂ ایمانیہ واقع حسینیہ جناب زبدۃ العلماء معین المومنین مولانا سید علی نقی نقوی صاحب طاب ثراہ (فرزند سید العلماء مولانا سید حسین علیین مکانؒ) میں صرف ونحو اور دینیات کی چند کتابیں مولانا مرزا قاسم علی صاحب کشمیری سے پڑھیں۔

اس کے بعد صرف ونحو، فلسفہ ومنطق اور فقہ و ادب کی کتابیں جناب مولانا سبط محمد صاحب (ابن خلاصۃ العلماء سید مرتضیٰ ابن سلطان العلماء) سے پڑھیں پھر معقولات ومنقولات وفقہ واصول کی اعلیٰ تعلیم بحر العلوم شمس العلماء سید محمد حسین مجتہد المعروف بہ جناب علن صاحب (ابن ملک العلماء مولانا سید بندہ حسین مجتہد مغفرت مآب ابن رضوان مآب) ملاذ العلماء مولانا السید ابوالحسن مجتہد المعروف بہ جناب بچھن صاحب (ابن ملک العلماء) عماد العلماء علیین مآب میر آغا صاحب اور تاج العلماء الحاج مولانا علی محمد صاحب مجتہد (ابن سلطان العلماء) اعلی اللہ مقامھم سے حاصل کی۔

شادی:۔

قدوۃ العلماء کی شادی عماد العلماء کی بیٹی سیدہ امۃ الزہرا بیگم سے ہوئی جو بہت پاکیزہ نفس وصاحبۂ علم خاتون تھیں۔

زیارات عتبات عالیات وتعلیم:۔

آپ عراق چار بار زیارات کے لئے تشریف لے گئے اور ہر بار سال سال بھر قیام کیا اور کربلا ونجف

میں آقا شیخ علی یزدی صاحب، آقا سید محمد ہاشم صاحب قزوینی، آقا شیخ ہادی شاگرد آقا حسن شیرازی آقا شیخ محمد حسین مازندانی، آقا شیخ زین العابدین مازندانی آقا مرزا محمد حسین شہرستانی، آقا شیخ محمد حسن مامقانی، آقا سید کاظم طباطبائی اور اپنے عم بزرگوار آقا السید کلب باقر نقوی جائسی اعلیٰ اللہ مقامھم کے دروس خارجی میں شریک ہوتے رہے۔

آقا شیخ محمد حسین مازندانی سے ۱۳۰۷ھ میں اور آقا شیخ زین العابدین مازندانی، آقا شیخ محمد حسن مامقانی اور آقا مرزا محمد حسین شہرستانی سے ۱۳۱۱ھ میں اجازات اجتہاد حاصل کئے۔ ۱۳۱۳ھ میں عماد العلماء میر آغا صاحب نے بھی اجازۂ اجتہاد مرحمت فرمایا۔

صاحب تذکرۂ بے بہا فرماتے ہیں کہ بعد انتقال بحر العلوم میں نے علامہ کنتوری سے پوچھا کہ علماء لکھنؤ میں اب فقیہ زیادہ کون ہے تو علامہ نے آپ ہی (قدوۃ العلماء) کا اسم گرامی یاد فرمایا۔

امامت جمعہ مسجد آصفی:۔

۱۱؍رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ بروز پنجشنبہ محب ومحبوب خال وخسر نے داعی اجل کو لبیک کہا تو ان (فقیہ اہلبیت عماد العلماء السید مصطفی) کی نماز جنازہ آپ ہی نے پڑھائی۔ رحلت کے تیسرے روز مجلس ترحیم ہوئی جس میں مجمع عظیم تھا۔ مجلس میں شمس العلماء مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ مجتہد نے حالات عماد العلماء کے بعد قدوۃ العلماء کی بلندئی کردار وعظمت علم وعمل کی تعریف اور توصیف فرما کر مصائب سید الشہداء علیہ السلام پڑھے بعد ختم مجلس بحر العلوم شمس العلماء مولانا سید محمد حسین مجتہد عرف جناب علن صاحب قبلہ اور فضائل مآب ڈپٹی مولانا سید علی اکبر صاحب قبلہ فرزند سلطان العلماء نے خلعت تعزیت وجانشینی یعنی سیاہ عبا وعمامہ اپنے ہاتھوں سے قدوۃ العلماء کو پہنایا اور جناب موصوف سے مصافحہ کیا۔

اور خود عماد العلماء نے اپنی زندگی ہی میں قدوۃ العلماء کی جانشینی کا اعلان فرما دیا تھا چنانچہ بعد عماد العلماء طاب ثراہ قدوۃ العلماء چھٹے امام جمعہ ہوئے یعنی غفرانمآبؒ کے بعد رضوان مآبؒ بعدہٗ جنت مآبؒ بعدہٗ سید العلماء مولانا سید محمد ابراہیم بعدہٗ عماد العلماء بعدہٗ قدوۃ العلماء اس منصب جلیل پر فائز ہوئے۔ (یہ سلسلہ آج تک آپ کی نسل میں چل رہا ہے یعنی قدوۃ العلماء کے بعد ان کے فرزند ذاکر شام غریباں عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ اور ان کے بعد صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب قبلہ رحمت مآب اور آج رحمت مآب کے جانشین قائد ملت مولانا سید کلب جواد نقوی صاحب قبلہ امام جمعہ مسجد آصفی ہیں)

مولانا آقا حسن صاحب اپنے علم وعمل سے خواص پسند ہوتے ہوئے عوام خصوصاً پریشان حال افراد کے کفیل وسرپرست مجتہد تھے۔ وہ محنتی وجفاکش، پرہیز گار ودیانتدار، بے تصنع وبے تکلف، ہمدرد وغمگسار ملت اور محب ومصلح قوم تھے۔

قدوۃ العلماء کے کارنامے:۔

آقائے قوم نے ملت کے علمی و عملی معیار کو بلند کرنے کے لیئے اور قوم کی پستی و بلندی کے اتفاقات و حادثات و واقعات کو تحریری صورت میں ہر ایک تک پہونچانے کے لیئے لکھنؤ کی شیعی دنیا کا پہلا رسالہ ماہنامہ ''معالم'' یکم محرم الحرام ۱۳۱۸ھ میں جاری فرمایا جسکے قدوۃ العلماء مولف و مدیر تھے اور ساتھ ہی اخبار ''الناطق'' جاری فرمایا۔ یہ بھی اولیت و دیگر خصوصیات کے اعتبار سے 'معالم' ہی کا ہم پلہ تھا۔ یہ رسالہ اور اخبار پہلے تصویر عالم پریس لکھنؤ سے طبع ہوکر دفتر عماد الاسلام جوہری محلہ سے شائع ہوتے تھے جو بعد قیام مطبع عماد الاسلام اپنے ہی پریس سے طبع ہونے لگے۔ دفتر اور مطبع دونوں کے مالک ذاکر شام غریباں عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین نقوی تھے۔ اخبار و ماہنامہ دونوں نے برسوں بلکہ انجمن صدر الصدور کے شیعہ کانفرنس بننے تک قوم و ملک کی علمی و مذہبی خدمت کی۔ اگرچہ یہ ماہنامہ اور اخبار انجمن صدر الصدور و کانفرنس امامیہ اثناعشریہ سے عمر میں بڑے تھے مگر سب کے سب قدوۃ العلماء کی اسی تحریک دینداری و بیداری کے حصے تھے جسے موصوف نے زیر سرپرستی فقیہ اہلبیت مرجع اعظم ہند میر آغا صاحب قبلہ ۱۳۱۳ھ میں چلائی تھی۔ شوال ۱۳۱۵ھ میں سرکار شریعتمدار بحر العلوم آیۃ اللہ العظمٰی السید محمد حسین نقوی المعروف بہ جناب علّن صاحب کے حکم سے اور موصوف ہی کی سرپرستی میں ''انجمن علماء'' قائم ہوئی اور اس کا پہلا جلسہ شوال ۱۳۱۵ھ کے آخر میں بمقام وادیٔ السلام ہند حسینیۂ حضرت غفرانماب علیہ الرحمۃ والرضوان بصدارت بحر العلوم منعقد ہوا۔ اس انجمن کو دوسرے جس عظیم فقیہ کی سرپرستی و نگرانی حاصل تھی وہ تھے فقیہ اہلبیت میر آغا صاحب قبلہ اور اس انجمن کے فعال کارکنان میں مولانا ڈپٹی سید علی اکبر نقوی اجتہادی، قدوۃ العلماء، نجم العلماء، ناصر الملۃ، باقر العلوم، ادیب اعظم مولانا سید محمد مہدی صاحب، حکیم مولانا سید صفدر حسین صاحب، ڈاکٹر پروفیسر مرزا محمد ہادی رسوا صاحب اور فیلسوف اسلام نواب شیخ رضا حسین صاحب تھے۔

اس انجمن کے زیر نگرانی قدوۃ العلماء نے بہت سے شہروں میں الگ الگ ناموں سے انجمنیں قائم کیں۔ جن میں سے بلدۂ موفور السرور جونپور کی انجمن معین الشریعہ بھی تھی جسے قدوۃ العلماء نے رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ میں قائم کیا تھا۔

قدوۃ العلماء کی تحریک پر اس انجمن کی جانب سے بہت سے علماء و واعظین نے لکھنؤ کی مسجدوں میں فی سبیل اللہ نماز جماعت قائم کی اور نماز فجر و نماز مغربین کے بعد مواعظ و مباحثات کا سلسلہ بھی قائم کیا۔ اتفاق علماء تخریب پسند عناصر کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا لہٰذا انہوں نے اپنا کام کر ہی ڈالا اور انجمن مذکور نے منزل شکست پر پہنچ کر دم توڑ ہی دیا۔ تفرقہ پرداز افراد کی اس کامیابی پر قدوۃ العلماء کو بڑا صدمہ ہوا۔ اگرچہ اصلاحی و تبلیغی پروگرام کو کامیاب بنانے کے لیئے قدوۃ العلماء کے

ساتھ مولانا ڈپٹی سید علی اکبر صاحب اور مکرم العلماء سید سجاد حسن زیدی مجتہد طورؔ جونپوری کے مساعی بلیغہ بڑے اہم تھے۔

اب قدوۃ العلماء کو تحریک دینداری و بیداری و ترقی ملت کی فکر تھی جو مستقلاً مضطرب و مضطر کیئے ہوئے تھی۔ آخر کار قدوۃ العلماء نے فیصلہ لیا کہ پہلے اس اتفاق علماء کی فکر نہ کی جائے بلکہ ایسی بات کی فکر کی جائے جس سے اتفاق رفتہ رفتہ پیدا ہوجائے۔ افکار قدوۃ العلماء نے راستہ ڈھونڈھ ہی لیا اور وہ یہ کہ ایک ایسی انجمن قائم کریں جس کی دو شاخیں ہوں ایک دنیوی یعنی تجارت وغیرہ اور دوسری دینی یعنی اشاعت و اعانت دین۔ پھر اس کے ضوابط واصول بھی مرتب فرمائے۔ آخر کار یہ انجمن پورے ہندوستان کے شیعوں کی دینی و دنیاوی ترقی کے لیئے قائم ہوئی لہٰذا انجمن کا دستور العمل بھی ویسی ہی وسعت کا حامل تھا۔ اس دستور العمل کا مطالعہ ہی قدوۃ العلماء کی معرفت اور موصوف کی وسیع النظری وجذبۂ خدمت خلق کو سمجھنے کے لیئے بہت ہے۔ انجمن کے صدر فقیہ اہلبیت عماد العلماء، متولی بحر العلوم، منصرم (سکریٹری) قدوۃ العلماء اور نائب منصرم (جوائنٹ سکریٹری) مولانا سید علی غضنفر صاحب اجتہادی تھے۔

۱۔ انجمن صدر الصدور اور اس کے مقاصد

انجمن امامیہ ملقب بہ انجمن صدر الصدور و کانفرنس امامیہ اثناعشریہ خاص حمایت قومی و ترقی جملہ امور معاد و معاش کے لئے بہ سرپرستی وصدارت جناب قبلہ و کعبہ مجتہد العصر والزمان سرکار شریعتمدار عماد العلماء جناب السید مصطفی نقوی المعروف بہ جناب میر آغا صاحب منعقد ہوئی۔ جس کے ذریعہ سے اشاعت دین و دینیات اور قوم میں نظام تجارت رائج کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ طے ہوا کہ انجمن تجارت کی طرف جماعت شیعہ کو متوجہ کرے گی اور خود بھی تجارت کرے گی اور ہر مقام پر شاخیں تجارت کی جاری کرے گی۔ اعانت علماء وطلباء و اجرائے مدارس و ترمیم وتعمیر عزاخانہ ومساجد و اعانت محتاجین و اشاعت مواعظ وعلوم و دیگر امور صلاح عامۂ مومنین شیعہ اثناعشریہ وتعلیم حرفت وصنعت و دستکاری وتعلیم علم طب وغیرہ حسب امکان کرے گی۔ اور یہ بھی طے پایا کہ اس انجمن کو گورنمنٹ عالیہ سے سوائے خیر خواہی اور کسی پولیٹکل معاملہ سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ ہر شہر و دیہہ میں اس انجمن کی شاخیں ماتحت اس انجمن کے قرار دی جائیں گی اور وہی ماتحت انجمنیں شاخیں تجارت کی بھی جاری کریں گی اور نگرانی ان کی کریں گی۔ صدر نشین ہمیشہ مجتہدین وعلماء و فضلاء متشرعین سے ہوا کرے گا معتمد، امین اور منصرم بھی مجتہدین وعلماء وفضلاء متشرعین سے ہوں گے یا متشرع رؤساء سرمایہ دار ہوں گے۔ ناظر وگرداور جو ہمیشہ مقامات مختلفہ میں دورہ کرتے رہیں ثقات علماء سے ہوں گے اور مواعظ ونصائح واقامت جمعہ وجماعت وترغیب وتحریص اتفاق بھی کرتے رہیں گے۔ چندہ وصول کر کے صدر انجمن میں پہونچائیں، حساب وکتاب ہر اس مقام کا جو ماتحت انجمنیں ہوں جانچتے رہیں، ماتحت انجمنیں جابجا قرار

دیتے رہیں، اوقاف کی نگرانی بھی یہ انجمن کرے گی لیکن جدید وقف کو لازم ہوگا کہ انجمن اشاعت کے سرمایہ کے واسطے بھی کچھ معین کرے۔ جو چندہ سرمایہ کے نام سے ہوگا اور کسی بینک وغیرہ میں بطور فنڈ جمع رہے گا اور اس کی آمدنی سے نصف صرف انجمن اور نصف پھر داخل سرمایہ کیا جائے گا تا کہ سرمایہ ہمیشہ بڑھتا رہے۔ جو آمدنی مصارف کے واسطے ہوگی اس کے نصف سے زیادہ خرچ نہ باندھا جائے گا اور ایک ربع داخل سرمایہ کیا جائے گا اور ایک ربع مصارف غیر معینہ واتفاقی مصارف کے لیئے پس انداز کیا جائے گا۔

ارکان انجمن تمام مجتہدین و علماء و فضلاء متشرعین ہیں۔

معاونین انجمن شاہزادگان و راجگان و تعلقداران وامراء ورؤساہوں گے جو پانچ روپیہ ماہواری یا ساٹھ روپیہ سالانہ سے انجمن اشاعت دین کی اعانت فرمائیں گے۔

انتظامی ممبران وہ حضرات ہوں گے جو چار آنہ ماہواری چندہ عطا کریں گے اور کم از کم ایک حصہ تجارت میں جو مع سرمایۂ اشاعت دس روپیہ حصۂ تجارت و دس روپیہ چندہ سرمایۂ اشاعت دین ہے، شریک ہوں۔

شرکاء تجارت جو محض تجارت میں شریک ہوں اور ممبری چندہ نہ دیں بپابندیٔ دستور العمل ھٰذا جس کا حصۂ تجارت مع چندۂ اشاعت دس روپیہ ہے نفع تجارت سال بہ سال شرکاء پر رسدی تقسیم ہوگا۔ لیکن نصف ان کو دیا جائے گا اور نصف پھر ان کے نام سے شریک تجارت کیا جائے گا تا کہ سہم ان کا ہمیشہ بڑھتا رہے۔ مثلاً اگر پہلے سال دس روپئے تھے تو دوسرے سال بارہ روپئے ہو جائیں گے وعلیٰ ھٰذا القیاس۔ اور اگر نصف بھی نہ لیں تو کل نفع ان کا انکی جانب سے داخل تجارت کیا جائے گا۔

جو نفع تجارت میں ہوگا اس کا چالیسواں حصہ سال بہ سال داخل سرمایۂ اشاعت دین کیا جائے گا تا کہ سرمایۂ اشاعت بڑھتا رہے اور اعانت دین کا ثواب ملے اور استحباب زکوٰۃ بھی ادا ہوتا رہے۔

صدر دفتر اس کا لکھنؤ ہے جملہ آمدنی وخرچ، حساب وکتاب تمام ماتحت انجمنوں کا اسی سے متعلق رہے گا کل آمدنی ہر مقام کی اسی صدر دفتر میں آیا کرے گی۔

دفتر انجمن صدر الصدور بمقام جوہری محلہ دفتر عماد الاسلام میں اس فیصلہ کے ساتھ قائم ہوا کہ تھوڑے عرصہ میں دفتر اس کا قبلہ وکعبہ حضرت غفرانمآب طاب ثراہ کے امامباڑہ میں قرار پائے۔ منصرم ومعتمد انجمن قدوۃ العلماء بانی انجمن کے نام ہونا طے پایا اور یہ بھی طے ہوا کہ حالات وحسابات انجمن ماہنامہ معالم اور اخبار الناطق میں شائع ہوں گے۔

۵؍جولائی ۱۹۰۱ء مطابق ۱۷؍ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ یوم جمعہ بوقت ۸ بجے صبح بمقام حسینیۂ حضرت غفرانمآبؒ بصدارت فقیہ اہلبیتؑ عماد العلماء انجمن صدر الصدور کا پہلا جلسہ ہوا۔ بعد تلاوت کلام پاک مولوی شیخ ممتاز حسین صاحب نے خطبۂ قدوۃ العلماء برائے ترغیب

وتحریص استقلال بنائے انجمن پڑھا۔ جلسہ کے مخصوص شرکاء علامۂ جائسی سند المجتہدین آیۃ اللہ العظمیٰ السید علی حسن نقوی قبلہ وکعبہ، بحر العلوم آیۃ اللہ العظمیٰ السید محمد حسین المعروف بہ جناب علن صاحب قبلہ وکعبہ، نجم العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ السید نجم الحسن صاحب قبلہ وکعبہ، حکیم الامۃ علامۂ ہندی آیۃ اللہ العظمیٰ السید احمد نقوی قبلہ وکعبہ، کہف العلماء آیۃ اللہ السید ابن حسن نقوی جائسی قبلہ وکعبہ، اعلم العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ الحکیم السید سبط حسین النقوی الجائسی قبلہ و کعبہ عمدۃ العلماء مکرم العلماء مولانا سید سجاد حسن زیدی مجتہد طورؔ جونپوری قبلہ وکعبہ، ملک الناطقین کلیم اہلبیتؑ خطیب اعظم علامہ سبط حسن نقوی فاطرؔ جائسی قبلہ و کعبہ، عمدۃ الواعظین قبلہ وکعبہ مولانا سید سبط محمد ہادی صاحب، مولانا سید زوار حسین صاحب قبلہ، مولانا سید علی اصغر صاحب قبلہ، مولانا سید علی غضنفر صاحب قبلہ، مولانا سید علی داور صاحب قبلہ، جسٹس مولانا سید کرامت حسین صاحب بیرسٹر، شاہزادہ مرزا محمد سلیمان شاہ صاحب، نواب فتح نواز جنگ بہادر صاحب بیرسٹر، نواب حامد علی خاں صاحب بیرسٹر، نواب محمد رضا حسین خاں صاحب سکریٹری انجمن رفاہ عام، حکیم مرزا وزیر حسن خاں صاحب بہادر، نواب علی محمد خاں صاحب صدر انجمن حیدری، نواب محمد احسان حسین خاں صاحب ، جناب سید سجاد حسین صاحب رئیس لکھنؤ، نواب غنی بہادر صاحب کے علاوہ بھی علماء و ادباء و شعراء اور ہزاروں مومنین نے جلسہ میں شرکت کی۔

اجلاس دینی میں جملہ منصوبوں پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور سب سے پہلے سرمایۂ مستقل کے لیئے ایک بکڈ پو دفتر عماد الاسلام جوہری محلہ میں کھولا گیا جس کے مالک مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ قرار پائے۔

اجلاس اول کے بعد شہر کی مسجدوں میں اقامت نماز وبیان مواعظ کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ساتھ ہی علماء ومبلغین ومصلحین دیگر اضلاع میں بھی اقامت نماز وتبلیغ دین کے لیئے روانہ ہونے لگے اور جگہ جگہ مدارس کا قیام بھی عمل میں آنے لگا۔ ہر سال انجمن کے دینی اجلاس گذشتہ سالوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ کامیاب ہونے لگے۔ اسی کے ساتھ قدوۃ العلماء لوگوں کو تجارت کی طرف بھی تیزی سے متوجہ کرنے لگے۔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس ۱۹۵۷ء کلکتہ کے خطبۂ صدارت اجلاس میں ذاکر شام غریباں عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب مجتہد نے بیان فرمایا کہ ''میرے والد مرحوم قدوۃ العلماء نے اکثر اپنے اعزا کو غلے اور کپڑے کی دوکانیں کھلوادیں اور خود بھی ان دوکانوں پر جا کر بیٹھے......اور بعض دن میں خود اور بعض دیگر حضرات ٹھیلہ لے کر شہر میں نکلے اور معمولی چیزیں جیسے سگریٹ، بیڑی اور بسکٹ وغیرہ فروخت کیئے۔''

جیسے مدرسہ کی آقائے قوم تحریک چلا رہے تھے ویسا مدرسہ ۲۵ رذیقعدہ ۱۳۲۱ھ جنوری ۱۹۰۴ء کو ''مدرسہ امامیہ انجمن صدر الصدور وکانفرنس امامیہ اثناعشریہ'' کے نام سے بمقام حسینیۂ ہدایت مآب ناصر دین وناشر احکام شرع متین مؤسس اسلام وایمان مومنین جناب سید دلدار علی

نقوی صاحب غفرانمآب علیہ الرحمہ (جن کی ہدایت وفیض سے کوئی مقام ہندوستان کا اس وقت تک خالی نہیں ہے) قائم کیا گیا۔ یہ مدرسہ ابتدائی درجات سے لیکر انتہائی درجات تک تھا اور بارہ درجوں پر منقسم تھا اور ہر درجہ میں کورس اس طرح مرتب کیا گیا تھا کہ سب ضروری چیزیں مثلاً فارسی، عربی، انگریزی، ریاضی، طب، دینیات، معقولات اور صنعت وحرفت داخل تھے۔ غرض یہ تھی کہ جو طالب علم تمام درجات طے کر کے نکلےگا وہ فارسی داں، عربی داں، انگریزی داں اور صاحب حرفت وصنائع مختلفہ ہوگا۔ مدرسہ کے معیاری اساتذہ سے مومنین نے دینی ودنیوی فائدے اٹھائے۔ اسی مدرسہ کے افتتاح کے موقع پر آقائے قوم نے اپنی فصیح وبلیغ معرکۃ الآراء تقریر میں علی گڈھ کالج کے طرز پر ایک شیعہ کالج قائم کرنے کی بات رکھی تھی۔ اگر چہ معمار ملت کے اس خیال وفکر کی ترجمانی کانفرنس کا مذکورہ مدرسہ خود ہی کر رہا ہے۔ اس انجمن نے ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۷ء تک معمار ملت کے انصرام میں ہندوستان میں اصلاح امور معاد ومعاش و ترقی دین وملت کے لیئے سعی پیہم سے کام لیا اور کامیابی سے اپنے چند سال گذارے۔

انجمن مذکور کا ایک شعبہ دارالذکر کے نام سے جوہری محلہ میں قدوۃ العلماء کی نگرانی میں اور گولہ گنج میں پروفیسر مرزا محمد ہادی صاحب رسوؔا ایڈیٹر ''الحکم'' کے زیر انتظام قائم ہوا تھا جس میں سنی اور شیعہ جمع ہوتے تھے۔ اخبار ورسائل پڑھے جاتے تھے، مذہب اسلام کی حمایت اور رد مذاہب باطلہ کا ذکر اور چرچا ہوتا تھا۔

۲۔ ماہنامہ ''معالم''

زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب مرحوم ''تاریخ لکھنؤ'' حصہ دوم صفحہ ۱۰۳ پر رقمطراز ہیں کہ ''حضرت قدوۃ العلماء وہ بلند ہستی ہے جس نے شیعوں میں بیداری کی لہر دوڑائی اور انجمن صدر الصدور کو آل انڈیا شیعہ کانفرنس کیا۔۔۔ دنیائے صحافت کو معلوم ہو کہ (لکھنؤ میں شیعوں کا) پہلا پرچہ ماہنامہ 'معالم' انہوں نے نکالا۔ پہلا اخبار 'الناطق' ان کے گھر سے نکلا۔ وہ عوام کے مجتہد تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہونے والے کے لیئے وقت ملاقات مقرر نہ تھا۔ ان کو کہیں جانے کے لیئے سواری کی ضرورت نہ تھی۔۔۔ قدوۃ العلماء کی سادگی اور روحانیت اور خدمت خلق تن تنہا مرکز تھی جس پر غیر مسلمین کو بھی ناز تھا۔'' ''سوانح حضرت غفرانمآبؒ'' میں بھی زبدۃ العلماء کا بیان ہے کہ قدوۃ العلماء سید آقا حسن مجتہد۔۔۔ قوم میں بیداری کی روح پھونکنے والے، ماہنامہ معالم اور ہفتہ وار 'الناطق' کے بانی تھے۔

یہ ایک ماہوار علمی رسالہ تھا جس کے مدیر و مولف آقائے قوم خود ہی تھے۔ جس کا پہلا شمارہ جلد اول یکم محرم الحرام ۱۳۱۸ء کو شائع ہوا تھا۔ جس میں رسالہ کے اغراض ومقاصد جو شائع ہوئے تھے وہ حسب ذیل ہیں:

اغراض وضوابط ماہنامہ 'معالم'

غرض وغایت اس رسالہ کی یہ ہے

کہ ہر قسم کے اعلیٰ درجہ کے مضامین علمی وتاریخی واخلاقی و تمدنی وحکمی ومذہبی اور مسائل علمی واحادیث اور تمام ایسے

مضامین جو مفید ہوں اور خلاف شرع یا خلاف تہذیب و قانون نہ ہوں، ملک کے عالی خیال لوگوں کی خدمت میں پیش کرے تا کہ ہر قسم کے علم وفن سے آگاہی حاصل ہو۔ وہ لوگ جن کی نگاہیں مضامین علمیہ ڈھونڈھا کرتی ہیں، جن کے دلوں میں ایک قسم کا جوش ہے ان سے ہم درخواست کرتے ہیں کہ اس رسالہ کو وقتاً فوقتاً اپنے گرانقدر وبیش بہا مضامین سے مزین فرماتے رہیں۔

قدر دانان علم و ہنر سے گذراش ہے کہ اس رسالہ کی اس قدر اعانت کی جاوے جس سے اس کی زندگی کو قیام ہو۔ اس رسالہ کی قیمت فی الحال بخیال تعمیم نفع صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ سالانہ علاوہ چھ آنہ محصول ڈاک کے قرار دی گئی ہے۔

اگر کوئی پرچہ ڈاک میں گم ہو جائے تو تاریخ اشاعت سے دو ہفتہ کے اندر اطلاع کرنے سے بلا قیمت ارسال خدمت کیا جائے گا۔ جملہ خط و کتابت وارسال مضامین یا ارسال قیمت متولی کارخانہ عماد الاسلام جناب قدسی القاب مولانا السید آقا حسن مدظلہ العالی کے نام ہونا چاہیئے۔ مالک و بانی اس کے مولانا سید کلب حسین صاحب مالک کارخانۂ عماد الاسلام ہیں۔

پتہ:۔ قبلہ وکعبہ قدوۃ العلماء جناب السید آقا حسن صاحب دفتر کارخانۂ عماد الاسلام جوہری محلہ لکھنؤ۔

المشتہر: محمد ناصح مینیجر کارخانۂ عماد الاسلام

۳:۔ ہفتہ وار ''الناطق''

یہ اخبار ۱۳۱۸ھ میں شائع ہونا شروع ہوا تھا اور برسوں 'معالم' کی طرح شائع ہوتا رہا۔ اس کے اغراض و مقاصد میں بھی وہی امور تھے جو ماہنامہ 'معالم' کے تھے۔ یہ ملک کے عالی خیال لوگوں اور صاحبان اخلاص کا پسندیدہ اخبار تھا اور علم وفن سے آگاہی کے ساتھ اخبار و حالات شیعیان ہند بلکہ شیعی دنیا کے اخبار و حالات سے واقفیت کا بہترین ذریعہ تھا۔

۴۔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس

کانفرنس: یہ انگریزی لفظ ہے جس کے معنی مجمع یا ایسی مجلس کے ہیں جو کسی خاص غرض حاصل کرنے کے لیئے منعقد کی جائے اور جسمیں عام بحث و مباحثہ کے ذریعہ اور کثرت رائے سے ایسا فیصلہ صادر ہو جس سے اس کے اغراض حاصل ہونے میں آسانی ہو اور پھر جماعت یا قوم ایسے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرے۔

آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے اجلاس ہشتم اکتوبر ۱۹۱۴ء میں علامۂ سید علی حائری نے فرمایا تھا کہ ''ہندوستان میں شیعوں کے دائرۃ المعارف کا مرکز حسی لکھنؤ ہے اور مرکز عقلی کانفرنس۔''

نجم آفندی فرماتے ہیں ؎

ہے کانفرنس اپنی امیدوں کا سرچشمہ
اللہ رکھے قائم اس کو بہ اثر برسوں

مجاہد اعظم سید بشیر احمد صاحب وکیل اناؤ اپنے مضمون ''شیعہ قوم اور کانفرنس کی دردناک تصویر'' مطبوعہ ہفتہ وار ''حسینی پیغام'' بمبئی (۲۷/مارچ ۱۹۴۲ء مطابق ۹/ربیع الاول ۱۳۶۱ھ بروز جمعہ) میں تحریر فرماتے ہیں

کہ ''شہر لکھنؤ کی مقامی اور قوم کی بیرونی پستی وتنزلی کو چند احساس رکھنے والی مدبر دماغ ہستیوں نے اضطراب کے ساتھ محسوس کیا کہ اس قریب الموت قوم کی تنظیم وتشکیل کے واسطے جد وجہد کرنا چاہیئے چنانچہ قبلہ وکعبہ معمار قوم قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد نے اپنی قائم کردہ انجمن صدر الصدور کے محدود دائرہ کو وسیع کر کے آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی شکل میں لانے کا عزم بالجزم کرلیا۔ آقائے ملت کی ہر دلعزیز اور باا ثر ہستی نے ناصر الملۃ مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ مجتہد ونجم الملۃ مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ مجتہد و جناب مولانا سید ابوالحسن صاحب قبلہ مجتہد و دیگر حضرات مجتہدین کو اس پر آمادہ بھی کر لیا کہ وہ بھی اپنے دست مبارک سے اس ادارہ کی رہبری فرمائیں۔ ان برگزیدہ ہستیوں نے جوش ایمانی اور درد ملت سے ایسے پیغام اور ایسی دعوت پر خندہ پیشانی سے لبیک کہتے ہوئے انہماک کے ساتھ حصہ لیا۔''

''صحیفۃ الملۃ معروف بہ لخت جگر'' (مصنفہٗ لسان القوم مولانا سید علی نقی صفی لکھنوی) میں ''ہندوستان میں شیعوں کی مجمل تاریخ اور بنائے شیعہ کانفرنس'' کے تحت صفحہ ۷ تا ۱۰ پر تحریر ہے کہ ''شیعوں کے خیالات میں بھی کسی حد تک آزادی کی لہر دوڑ چکی تھی اور علماء بھی رفتار زمانہ کو نہایت صبر وتحمل سے دیکھ رہے تھے اور یہ خیال پیدا ہو ہی گیا کہ ضرورت زمانہ کے موافق شیعوں کے لیئے کچھ کرنا چاہیئے۔ مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد (لکھنؤ) ایک خاص دل ودماغ اور مزاج زمانہ کے بہترین نبض شناس عالم تھے۔ انہوں نے شیعوں کی دینی ودنیاوی ترقی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ۱۳۱۹ھ میں انجمن صدر الصدور کی بنیاد ڈالی۔ اس کے صدر عماد العلماء جناب سید مصطفی عرف میر آغا صاحب قبلہ (مرحوم) مجتہد اور متولی شمس العلماء مولانا جناب سید محمد حسین عرف علن صاحب قبلہ مجتہد اور منصرم (سکریٹری) مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد اور نائب منصرم مولوی سید علی غضنفر صاحب مقرر ہوئے۔ اس زمانہ میں اس کی مخالفت محسن الملک سید مہدی علی خاں صاحب، بدرالدین طیب جی جسٹس بمبئی، سر آغا خان صاحب اور میر سید حسین صاحب بلگرامی جیسی مقتدر ہستیوں نے کی مگر یہ انجمن اپنا کام کرتی رہی اور اس کی بڑی غرض یہ تھی کہ آزاد خیالی کو بڑھنے نہ دے۔ اس انجمن نے ایک خاص عربی مدرسہ کی بنیاد لکھنؤ میں ڈالی اور پیش نماز و واعظین کا تقرر اس کی جانب سے ہوا یہاں تک کہ ۱۳۲۲ھ میں جب ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس لکھنؤ میں ہونے لگا اس وقت بذریعہ تحریرات وفتاویٰ علماء نے اعلان کیا کہ جب تک علی گڈھ میں تعلیم دینی کا پورا بندوبست شریعت کے موافق نہ ہوجائے علی گڈھ کالج میں کسی شیعہ کو روپیہ نہ دینا چاہیئے۔ اس پر اخبارات نے علماء کے خلاف سخت سے سخت مضامین لکھے۔ زمانہ نے خیالات میں کچھ عجیب مد وجزر کی کیفیت پیدا کردی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قومی مفاد کے لیئے یہ قرار پایا کہ انجمن صدر الصدور کے سالانہ جلسہ لکھنؤ سے باہر کانفرنس کی صورت میں منعقد ہوا کریں اس بارے میں اور اراکین شیعہ اور خود حضرات علماء میں اختلاف پیدا ہوا اور بالآخر

جدید وقدیم تعلیم یافتہ حضرات نے قومی مفاد کے لیئے ملکر مدتوں غور کیا اس میں خصوصیت سے مرزا محمد ہادی رسوا صاحب مرحوم، خواجہ غلام الثقلین مرحوم اور خود مولانا آقا حسن صاحب قبلہ نے گہری دلچسپی لی اور ان لوگوں نے انجمن صدر الصدور کی صورت بدل کر مذاق زمانہ کے موافق ایک کانفرنس کی بناڈالنے کا تہیہ کیا اور اس کا ایک ڈھانچہ مرتب کیا۔۔۔۔اور پہلا جلسہ ٦/اکتوبر ۱۹۰۷ء کو رفاہ عام کلب کی عمارت میں بمقام لکھنؤ منعقد ہوا اور اس میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی بنا پڑی اور انجمن صدر الصدور اسی میں فنا ہو کر معدوم ہو گئی یا یوں کہئے کہ وہ مشکل بہ صورت کانفرنس ہو گئی۔ یہ سب سے بڑی انجمن ہے جسے آل انڈیا شیعہ کانفرنس کہتے ہیں ۔۔۔۔۔۔تمام ملک خصوصاً قریہ اور دیہات میں شیعہ مجتہدین کا کافی اثر تھا۔ انگریزی دانوں میں بیشتر حضرات کے قلوب کی چاہے جو حالت رہی ہو مگر بظاہر سب کے سب علماء پرست تھے۔ جدید اور قدیم تعلیم یافتہ حضرات ایک صورت میں نظر آتے تھے لیکن آزادی بڑھتی ہی جارہی تھی۔ بعض بعض حضرات کے طرز عمل سے حضرات علماء اور بعض علماء کی بعض باتوں سے بعض تعلیم یافتہ حضرات کو شکایت پیدا ہو چکی تھی۔ مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد نے سوچ کر جدید تعلیم یافتہ کو پرانے خیال والوں سے ملانے کی بہتر صورت یہ نکالی کہ انجمن کا اجلاس کانفرنس کی شکل میں ہو اور اس کی تشکیل اور تنظیم میں خواجہ غلام الثقلین مرحوم اور ڈاکٹر مرزا محمد ہادی رسوا مرحوم نے پوری مدد دی۔ ابتداءً اس انجمن صدر الصدور (یا اسے شیعہ کانفرنس کہہ لیجئے) کے قواعد قریب قریب وہی تھے جو مولانا آقا حسن صاحب قبلہ نے مرتب کئے تھے۔''

۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۷ء میں انجمن صدر الصدور و کانفرنس امامیہ اثنا عشریہ کا نام آل انڈیا شیعہ کانفرنس کر دیا گیا جس کے آہستہ آہستہ بہت سے شعبے قائم ہوئے مثلاً:۔

۱۔آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ لکھنؤ
۲۔شیعہ کالج
۳۔شیعہ شوگر فیکٹری
۴۔شیعہ بورڈنگ ہاؤس
۵۔وظائف فنڈ
٦۔صیغۂ اوقاف
۷۔انجمن تحفظ مآثر متبرکہ
۸۔دارالترجمہ
۹۔دارالذکر
۱۰۔سرفراز مینیجنگ بورڈ (جس کے تحت سرفراز اخبار جاری ہوا اور سرفراز قومی پریس و سرفراز قومی بکڈپو قائم ہوئے)
۱۱۔لسان القوم صفی دارالمطالعہ وکتبخانہ
۱۲۔''قومی گھر'' آل انڈیا شیعہ کانفرنس نادان محل روڈ لکھنؤ

اجلاس چہل آل انڈیا شیعہ کانفرنس منعقدہ ۲۸/۲۹ دسمبر ۱۹۵۵ء بمقام میرٹھ حجۃ الاسلام والمسلمین

تقدس مآب سرکار عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین نقوی صاحب قبلہ مجتہد نے خطبۂ صدارت میں فرمایا: ''آج میں جس کانفرنس کے فرائض صدارت انجام دینے کے واسطے حاضر ہوا ہوں اس کانفرنس نے اور میں نے ایک ہی آغوش میں پرورش پائی۔ منزل تربیت ایک تھی، مرکز نشو نما ایک تھا یعنی میرے والد مرحوم حضرت قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ نے ۱۹۰۷ء میں اس کانفرنس کی بنیاد رکھی اور سرکار نجم الملت اور سرکار ناصر الملت طاب ثراھما نے اس کے استحکام میں ہر کوشش صرف فرمائی۔ مجھ کو وہ وقت یاد ہے جب اس کا نام انجمن صدر الصدور کانفرنس امامیہ اثنا عشریہ تھا۔ آج تو دنیائے شیعیت علماء کو تنگ نظر، قدامت پسند، سیاست سے بے خبر سبھی کچھ کہنے پر تیار ہے مگر آپ یاد رکھیں کہ یہ بزم شوریٰ، یہ محدود جمہوریت کا مرکز علمائے مذہب کے ذہن رسا کی ایجاد و اختراع ہے۔ جس وقت فدایانِ طرز جدید بالکل خاموش اور بے خبر تھے اس وقت عالمانِ دین ہی نے ضروریات زمانہ کو محسوس کرتے ہوئے کانفرنس کی تشکیل کی، علماء ہی نے بڑھایا، کامیاب بنایا، اس شجر کی آبیاری کر کے قابل برگ و بار بنا دیا اور آپ کے ہاتھوں میں یہ کہہ کر دے دیا ؎

سپردم بتو مایہ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

پہلے ہی جلسہ میں اس کا نام مختصر کر کے آل انڈیا شیعہ کانفرنس قرار دیا گیا جو آج زبان زد خاص و عام ہے۔ اس کانفرنس نے عالم رنگ و بو میں آنکھ کھولتے ہی دینی و دنیاوی میدان میں عملی اقدامات شروع کر دیئے واعظین و مبلغین معین کئے گئے جو تمام ہندوستان میں دورہ کر کے قوم کی دینی و دنیاوی خدمات انجام دیں۔ دار التالیف اور دار الترجمہ قائم کیا گیا۔ شیعوں کی اقتصادی اصلاح کے پروگرام بنائے گئے۔ شیعہ شوگر فیکٹری کا افتتاح کیا گیا۔ ابتدائی تعلیم کا مدرسہ قائم کیا گیا۔ دار المطالعہ کھولا گیا، طلبہ کے وظائف جاری کرنے کی تحریک پیش ہوئی اور وظائف دیئے گئے۔ یتیم خانہ بھی اسی دور کی بنیاد ہے اور شیعہ کالج جو آج مچل مچل کے آغوش مادر سے باہر نکلنا چاہتا ہے وہ بھی اسی ایک اصل کی فرع ہے۔ ان میں سے بعض چیزیں خدا کے فضل سے اب تک موجود ہیں اور بعض ختم ہو گئیں۔''

اسی اجلاس میں حضرت ماتی جائسی نے اپنی معرکہ آرا نظم پڑھی جو حد درجہ مقبول ہوئی۔ نظم کے صرف چار بند ضرورتاً پیش کئے جاتے ہیں۔

ایک حالت پر نہیں رہتا ہے کاروبارِ دہر
نت نئی تعمیر میں مصروف ہے معمارِ دہر
منحنی ہے ابتدا ہی سے خط رفتارِ دہر
حادثوں کے دائرے ہیں گردشِ پرکارِ دہر
ہو تحیر عقل کو نقشہ بدل جاتا ہے یوں
عہد ماضی حال کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے یوں

یاد ہے کب اس ادارہ کی ہوئی تھی ابتدا
کس نے ڈالی اور کس مقصد سے ڈالی تھی بنا
کیسے یہ پودا اگا کیسے ہوئی نشو و نما
کس نے بہر آبیاری خون پانی کر دیا

دیکھو توقیع دوام سید آقا حسن
زینت عنواں ہے نام سید آقا حسن
قوم کے افراد میں دیکھا جب اس نے انتشار
تل گیا شیرازہ بندی پر بعزم استوار
آئے راہ سعی میں کتنے ہی دشت و کوہسار
روندتا بڑھتا گیا لیکن بہ تمکین و وقار
جب پئے اصلاح حاجت تھی امام عصرؑ کی
آ کے نائب نے نیابت کی امام عصرؑ کی
ہے وہ پائندہ اثر آقا حسن کے نام میں
آج تک باقی ہے جو اس گردش ایام میں
لکھنؤ کی سرزمیں لائی گئی تھی کام میں
تھا رفاہِ قوم کا نقشہ رفاہِ عام میں
یاد ہے اس بزم کی بنیاد کی بات آج تک
میری نظروں میں ہے سن انیس سو سات آج تک

آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا پہلا اجلاس ۱۹۰۷ء میں انجمن رفاہ عام لکھنؤ کی عمارت میں منعقد ہوا تھا وہ تاریخی اجلاس قدوۃ العلماء ہی نے طلب کیا تھا اجلاس کی صدارت سرکار نجم الملت طاب ثراہ نے فرمائی تھی اور صدارتِ مجلسِ استقبالیہ کے فرائض خود بانئ کانفرنس نے انجام دیئے تھے۔

عرصہ بعد اس سے ملتا جلتا منظر تب لوگوں نے دیکھا جب آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا چوالیسواں شاندار نمائندہ اجلاس حسینیۂ غفرانمآبؒ (جہاں بانئ کانفرنس قدوۃ العلماء زیر خاک آرام فرما ہیں ۔) میں ۱۱/۱۲/اپریل ۱۹۶۴ء کو منعقد ہوا۔ صدر جلسہ قائد اکبر جناب سیٹھ بھائی لال جی منتخب ہوئے اور جس کی مجلس استقبالیہ کی صدارت کے لئے ذاکر شام غریباں سرکار صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب قبلہ رحمت مآب کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔

اس اجلاس میں نواب تجمل حسین خان صاحب سابق صدر آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا بیان تھا (جو سرفراز کانفرنس نمبر جون ۱۹۶۴ء میں دیکھا جا سکتا ہے) کہ لکھنؤ ہمیشہ شیعیت کا مرکز سمجھا گیا ہے اس لئے آج پھر اس کانفرنس کا یہاں منعقد ہونا اپنے مرکز کی طرف پلٹنا کہا جا سکتا ہے اور اس امامباڑہ میں جو غفرانمآبؒ کے نام سے ہے اور بھی مناسب ہے اس لئے اسی خاندان کی اس ممتاز ہستی کے ہاتھ اس کانفرنس کی بنیاد پڑی جنہیں ہم سب قدوۃ العلماء کے نام سے آج بھی یاد کرتے ہیں۔''

اس باب کے اختتام پر ایک ضروری اطلاع اور دیتا چلوں کہ کانفرنس کے شعبہ دارالترجمہ سے شعبہ کے سکریٹری ڈاکٹر پروفیسر مرزا محمد ہادی رسوا صاحب مرحوم نے ایک بے مثال کام چند محققین کی مدد سے انجام دیا۔ اور وہ ہے ۲۲ جلدوں پر مشتمل زبان اردو میں ''ہدیہ'' کی تصنیف جسے فرقۂ شیعہ کا انسائیکلو پیڈیا کہا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب ان تمام مذہبی اصول و مباحث پر شامل ہے جو آج تک فرق اسلامیہ میں معرکہ آرا ہیں۔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی جانب سے کتاب اگرچہ شیعوں کے علم کلام کی ایسی ہے جو قدیم و جدید دونوں طریقوں کی جامع ہے لیکن یہ کتاب ایسی قطعاً نہیں ہے جس پر ''ترکی بہ ترکی'' کی لفظ

استعمال کی جاسکے۔ اس میں مجادلہ غیر حسنہ اور مکابرہ کا رنگ اختیار نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس امر کا تمام تر لحاظ رکھا گیا ہے کہ ہر مذہب کے انصاف پسند حضرات اسے بخوشی ملاحظہ فرما سکیں۔ یہ کتاب محض تحقیق حق کے خیال سے تصنیف کی گئی ہے۔افسوس کہ اردو کا سب سے قیمتی کلامی سرمایہ ابتک غیر مطبوعہ ہے۔

۵۔شیعہ کالج لکھنؤ

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ آقائے قوم انجمن صدر الصدور کے جلسوں ہی میں ایک کالج کی تجویز رکھ چکے ہیں اور مولانا کے مطبوعہ تقاریر سے ثابت ہے کہ موصوف مستقلاً علی گڈھ کالج کے طرز پر ایک شیعہ کالج کے قیام کی تحریک چلاتے رہے ہیں۔جس نے عملی جامہ آپ کی بنا کردہ انجمن ''آل انڈیا شیعہ کانفرنس'' کے اجلاس ہشتم میں پہنا۔

کانفرنس کے جنرل سکریٹری مولانا سید علی غضنفر نقوی اجتہادی صاحب اجلاس ہشتم اکتوبر ۱۹۱۴ء کی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ ''اور بالآخر اجلاس ہفتم نے انتہائے جد و جہد کے بعد حسب ذیل ریزولیشن پاس کیا ریزولیشن نمبر ٦۔ یہ کانفرنس تجویز کرتی ہے کہ ایک شیعہ اسکول کی ابتدا کی جائے اور اس کو بتدریج ایک کالج کی حد تک پہونچایا جائے۔

محرک:۔جناب مولوی شیخ مہدی حسین ناصری (بی۔اے)
مؤید:۔جناب سید غلام مرتضیٰ صاحب (بی۔اے)
مؤید ثانی:۔مولانا سید علی گوہر اجتہادی صاحب

اسکول کے لیئے ڈھائی لاکھ اور کالج کے لیئے ساڑھے بارہ لاکھ کا سرمایہ تجویز کیا گیا۔

کانفرنس کے سکریٹری صاحب تخمینہ و سرمایۂ شیعہ کالج (مداخل ومخارج) پیش کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ علاوہ مصارف مذکورۂ بالا کے مبلغ ۲۲۰ روپیہ سالانہ ترقی کرنا ہوں گے۔ جو رفتہ رفتہ فیس اور بچت سے نکلتے چلے آئیں گے اور بچت کی رقم خارج کر دی جائے تو غالباً آٹھ لاکھ روپیہ اصل سرمایہ میں رکھنا ہوگا۔

یہ ہیں وہ اخراجات جن کا تصور ایک نہایت ہیبت ناک بڑی بڑی آنکھوں والے سیاہ فام عفریت کی صورت میں پیش ہو کر ہمتوں کو پست اور بڑھتے ہوئے قدموں کو پیچھے ہٹاتا ہے اور سمجھا دیا جاتا ہے کہ اسکول اور کالج کا خیال تو اچھا ہے لیکن تمہاری قوم کے پاس روپیہ نہیں ہے اس لیئے اس ارادہ سے دوسری قومیں تم پر خندہ زن ہوں گی اور تم دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جاؤ گے۔ اور جو ہمدردان قوم ہمت بڑھاتے اور قوم کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی ہدایت کرتے ہیں ان کی نقلیں کی جاتی ہیں، ان کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اسقدر قلیل مصارف قوم کیوں برداشت نہیں کر سکتی۔ زمانہ حال کے طریقے پر چندہ کر کے یہ معمولی سرمایہ کیوں نہیں جمع کیا جاسکتا۔ بحمد اللہ مجموعی حیثیت سے قوم مفلس نہیں ہے۔ بقول ایک عالم کے کہ ''یہ قوم وہ قوم ہے جس نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دوسروں کے بوجھ اٹھائے ہیں اور جب تک یہ ہاتھ نہیں لگے ان کے

ہاتھ باوجود قوی دکھائی دینے کے بیکار ثابت ہوتے رہے کیونکہ وہ نفس الامر میں بیکار تھے۔'' جس وقت معمار ملت قدوۃ العلماء جناب مولانا السید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد نے شیعہ کانفرنس قائم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور راقم نے اس غرض کی تکمیل کے لیئے گدائی اختیار کی تو ہر طرف سے یہی صدا بلند تھی کہ یہ ناممکن ہے۔ ہرگز ہم کانفرنس نہیں قائم کر سکتے لیکن میں نے ہمت نہ ہاری اور کانفرنس قائم ہوگئی جس کے ساتویں اجلاس نے کالج قائم کرنے کے لیئے ریزولیشن پاس کرنے کی جرأت کی جو انشاء اللہ قائم ہو کر رہے گا۔

اسی طرح وظائف طلبۂ نادار، یتیم خانہ، بورڈنگ ہاؤس اور دارالترجمہ وغیرہ ایسا مہیب دکھایا گیا تھا جس نے راتوں کی نیند اڑادی تھی لیکن جس وقت ہمت باندھی اور خداوند عالم پر بھروسہ کیا تو کسی قسم کی زحمت نہ ہوئی۔

ڈاکٹر مرزا محمد ہادی صاحب رسوا پروفیسر کرشچین کالج لکھنؤ تحریر فرماتے ہیں کہ ''میں نے اسکول اور کالج کی اسکیم مرتبۂ مولانا سید علی غضنفر صاحب جنرل سکریٹری شیعہ کانفرنس کو بتفصیل دیکھا۔ اسکول کے لیئے یہ تخمینہ انشاء اللہ کافی ہوگا اور دینیات و عربی طلبہ کے لیئے جو اسپیشل کلاس تجویز کیا گیا ہے وہ ضروری ہے۔ اس زمانہ میں دینی اغراض سے بھی جدید معلومات کا ہونا ضروری ہے بشرطیکہ یہ نیت ہو اور اس پر عمل ہو۔ اگر چہ جی یہ چاہتا ہے کہ اس سے زیادہ بڑے پیمانہ پر شیعہ کالج ہوتا لیکن بالفعل اسی پر قناعت کرنا بہر صورت اولیٰ ہے۔ خدا کرے کہ یہ کام بہت جلد انجام کو پہونچے کیونکہ خدانخواستہ اگر یہ کام اس میں نہ ہوا جبکہ دلوں میں درد دین باقی ہے تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔ خداوند تعالیٰ سید علی غضنفر صاحب کو جزائے خیر دے کہ وہ اس کام میں **السابقون السابقون** کے مصداق ہیں مگر اس بات پر نظر کر کے دیگر حضرات مدد سے دست کشی اور پہلو تہی نہ فرمائیں بالآخر یہ قومی کام بلکہ دینی کام ہے۔

المرقوم ۲۷ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

ادیب العصر فاضل نبیل شفیقی المعظم چودھری سبط محمد نقوی صاحب مولانا علی غضنفر صاحب کو قدوۃ العلماء کا مساجیات میں دست و بازو مانتے ہیں۔ ادیب العصر اپنے ایک مضمون میں علی غضنفر صاحب کے لیئے تحریر فرماتے ہیں کہ ''موصوف فعال آدمی تھے اور تاریخ خاندان اجتہاد پر بہت کام کیا، ان کے فعال ہونے کی شہادت تو انجمن صدر الصدور امامیہ، شیعہ کانفرنس اور شیعہ یتیم خانہ نیز شیعہ کالج کی تاریخ میں پھیلی ہوئی ہے۔ میرا حافظہ اگر خطا نہیں کر رہا ہے تو میرا خیال ہے کہ وہ انجمن اور کانفرنس دونوں کے اولین سکریٹری اور شیعہ یتیم خانہ کے بھی ابتدائی سکریٹری تھے۔''

اجلاس ہشتم میں مولانا علی نقی صفی لکھنوی مرحوم نے جو مسدس قیام شیعہ کالج کی منظوری کے بعد خوش پر کر پڑھا اس کے چند بند نذر ناظرین ہیں:-

ہمصفیران چمن ملتا نہیں جن کا مزاج
وہ بھی ہم آواز ہوں اس کی ہمیں کیا احتیاج
بن پڑے گا جس طرح کرلیں گے ہم اپنا علاج
کہہ چکا ہوں پیشتر بھی اور پھر کہتا ہوں آج
منزلت قوموں میں کچھ یہ قوم اس دن پائے گی
دولت تعلیم جس دن عام کر دی جائے گی
مژدہ کالج کا سنایا ساقیا انعام دے
مدتوں پھرتا رہا سر اب ذرا آرام دے
جب دماغ و دل تھکے ہوں کیا طبیعت کام دے
مجھ سے لے صد ہا دعائیں بھر کے لیکن جام دے
میکدے سے اٹھ کے میکش مدرسے تک جائیں گے
امتحان قومیت دے کر وظیفے پائیں گے
جلد ہاں ساقی نصاب میکشی تیار ہو
مے وہ مے بدمست بھی پی کر جسے ہشیار ہو
جام زریں کی کھنک سے قوم خود بیدار ہو
یہ خبر ہندوستاں میں مشتہر اک بار ہو
قوم کی بہبود پر شیعوں کا فرقہ تل گیا
مدرسہ کالج نما اک لکھنؤ میں کھل گیا
لکھنؤ کی سرزمیں پر جلد رب ذوالمنن
شیعہ کالج کی بنا ڈالیں عزیزان وطن
پڑھتے ہوں اطفال شیعہ انجمن در انجمن
دیکھ لیں ہم بھی صفیؔ آنکھوں سے وہ رنگیں چمن
قوم کو کچھ فکر ہو اپنے فروغ نام کی
آرزو نکلے الٰہی اس دل ناکام کی

جون ۱۹۱۴ء کی کارروائی میں کمیٹیوں نے شیعہ کالج کی کمیٹی بنائی اور بیس لاکھ روپیہ سرمایہ قرار دے کر آنریبل الحاج نواب سرفتح علی خاں صاحب بہادر قزلباش (تعلقدار نواب گنج علی آباد ضلع بہرائچ ورئیس اعظم لاہور) کو کالج کا سکریٹری منتخب کیا اور کالج کے کل امور ممدوح کے سپرد کردیئے گئے۔

مولانا سید محمد حسین صاحب نوگانوی طاب ثراہ تذکرۂ بے بہا فی تاریخ العلماء صفحہ ٦۰ پر رقمطراز ہیں کہ ۱۳۱۹ھ میں آپ (قدوۃ العلماء) نے انجمن صدرالصدور قائم کی جو ۱۳۲۳ھ میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے نام سے مشہور ہوگئی اور اسی کانفرنس کے اجلاس ہشتم میں شیعہ کالج کا بیڑہ اٹھایا گیا اور اسی کے چندہ کے لئے آپ (قدوۃ العلماء) اور نواب سرفتح علی خاں رئیس لاہور و (مولانا سید علی غضنفر اجتہادی) جنرل سکریٹری کانفرنس جانسٹھ تشریف لائے۔

صاحب مطلع انوار شیعہ کالج کی تجویز وتحریک کا آپ کو ذمہ دار مانتے ہیں یعنی محرک وتجویز کنندہ قدوۃ العلماء کو اور اس عظیم ادارہ کے بانی تین افراد یعنی شمس العلماء مولانا سید سبط حسن نقوی فاطرؔ جائسی، الحاج نواب سرفتح علی خان صاحب کربلائی و رئیس اعظم لاہور اور نواب حامد علی خاں صاحب آف رامپور کو مانتے ہیں اگر چہ تجویز وتحریک کے علاوہ قدوۃ العلماء نے (جو اصلِ کالج کے تنہا بانی تھے) شیعہ کالج کی دامے، قلمے، سخنے، قدمے خدمت کی۔ اور حالات وواقعات سے پتہ چلتا ہے کہ کالج

کوموصوف کی ہر اعتبار سے سرپرستی ونگرانی حاصل تھی۔

ادیب اعظم مولانا سید محمد باقر شمسؔ لکھنوی ''تاریخ لکھنؤ'' حصہ اول کے صفحہ ۱۹۲ پر لکھتے ہیں کہ'' مولانا آقا حسن صاحب قبلہ معقولات میں بڑا درجہ رکھتے تھے۔قومی قیادت کی بھی ان میں بڑی صلاحیت تھی،انہوں نے شیعہ قوم کو ایک نئی زندگی بخشی۔ان کا قومی پلیٹ فارم قائم کیا،شیعہ کانفرنس،شیعہ یتیم خانہ اور شیعہ کالج کی بنیاد ڈالی اخبار اور پریس قائم کرکے بیداری کی لہر دوڑادی۔''

قدوۃ العلماء شیعہ کالج تحریک کے محرک ونگراں اور کالج کے لیئے ایک بانی کی حیثیت رکھتے تھے لسان الشعراء سید مجاور حسین تمناؔ مرحوم نے جو قطعۂ تاریخ تعمیر شیعہ کالج تصنیف فرمایا ہے اس سے اذہان کافی حد تک بناء شیعہ کالج کی حقیقت سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو:

لکھنؤ میں یہ عمارت بن گئی جس روز سے
قوم کی ہر فرد کے قلب وجگر کو چین ہے
کام پورا کیوں نہ ہوتا سر پہ تھے آقا حسن
خدمت مخلوق جن کا خاص نصب العین ہے
جن کے اخلاص عمل نے قوم کو دی زندگی
ہر قدم جنکا ترقی کے لیئے بیچین ہے
یہ تمناؔ عیسوی میں سال ہے تعمیر کا
شیعہ کالج روضہ ہائے شاہ کے مابین ہے

۱۹۲۰ء

آقائے قوم کے ایک خاص حبیب مکرم العلماء مولانا سید سجاد حسن زیدی مجتہد طورؔ جونپوری (نانپارہ) نے بھی شیعہ کالج کی جو تاریخ تحریر فرمائی ہے۔مندرجہ ذیل ہے:

زافتتاح شیعہ کالج۔گشت تاریخ آشکار

۱۳۳۶ھ

عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب نے آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے چالیسویں اجلاس میں بمقام میرٹھ خطبۂ صدارت میں فرمایا تھا:''اگر چہ یہ شیعہ کالج کانفرنس سے دامن کش ہے اور اپنے کو کانفرنس کا ماتحت نہیں سمجھتا یہاں تک کہ کانفرنس کے جلسہ میں اپنی سالانہ رپورٹ بھی نہیں پیش کرتا لیکن ماں باپ کو جو محبت اولاد سے ہوتی ہے وہ محبت اولاد کو ماں باپ سے نہیں ہوتی اس لئے کالج شیعہ کانفرنس سے کتنا ہی بےفکر کیوں نہ رہے لیکن کانفرنس تو اس کی خیر اندیش ہی رہے گی اس لئے ضروری ہے کہ جہاں ہم اس جلسہ میں اور تمام چیزوں پر غور کریں وہاں شیعہ کالج سے بھی بےفکر نہ رہیں۔''

۶۔آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ لکھنؤ

قدوۃ العلماء اپنی تحریک دینداری و بیداری کی ابتدا ہی سے ایتام و بیوگان و مساکین کے ایک کفیل کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے رہے۔اور اسی تحریک کے تحت شیعہ یتیم خانہ کے سلسلے میں تحریک چلاتے رہے اور اپنے شریعت کدہ پر اور ایک دوسرے مکان میں چند یتامیٰ کے قیام وطعام کا انتظام کرتے رہے۔آخر انکی آرزو پوری ہی ہوئی کہ ۱۹۱۲ء میں شیعہ یتیم خانہ قائم ہوا۔

''کانفرنس نمبر'' سرفراز لکھنؤ مئی ۱۹۴۷ء صفحہ ۲۶ پر رپورٹ آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ لکھنؤ میں سید غلام حسنین نقوی ایڈوکیٹ رقمزن ہیں کہ ''ابھرتے ہوئے سورج کی کرنوں کی آغوش میں اس عظیم الشان ادارہ کی بنیاد دو بچوں کے ساتھ گلی شاہ چھڑا کے ایک ٹوٹے مکان میں پڑی۔ عالیجناب مولانا مولوی سید آقا حسن صاحب قبلہ مرحوم مجتہد کے دست حق پرست نے اس ادارہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس وقت ادارہ کے پاس عظیم الشان عمارت قیمتی تخمیناً پانچ لاکھ موجود ہے۔'' مولانا آغا مہدی صاحب سوانح حضرت غفرانمآبؒ میں لکھتے ہیں کہ ''قدوۃ العلماء سید آقا حسن مجتہد شیعہ کانفرنس و شیعہ یتیم خانہ کے بانی تھے۔'' اور ''تاریخ لکھنؤ'' حصہ اول میں مولانا سید محمد باقر شمسؔ نے بھی صفحہ ۱۹۲ پر لکھا ہے کہ ''قدوۃ العلماء ہی نے شیعہ یتیم خانہ کی بنیاد ڈالی۔''

اجلاس ہشتم اکتوبر ۱۹۱۴ء کے صدر جلسۂ استقبالیہ نے اپنے بیان میں فرمایا ہے کہ ''شیعہ یتیم خانہ میں اس وقت دو سو سے زائد بچے اپنے دین و مذہب کے موافق تعلیم و تربیت حاصل کر رہے ہیں اور اگر خدانخواستہ یہ یتیم خانہ قائم نہ ہوتا تو خدا جانے ان یتیموں کا کیا حشر ہوتا۔ کہنے کو تو یتیم خانہ یتیم اور خانہ دو لفظوں سے مرکب ہے لیکن خیال فرمایئے کہ ان دو سو بچوں کی خوراک، پوشاک، تعلیم و تربیت اور جائے قیام کے بندوبست میں کیا کچھ دقتیں نہ واقع ہوتی ہوں گی اور جن کو مولوی علی غضنفر صاحب ہی کا دل خوب جانتا ہے۔ اسی روداد میں جناب شیخ یوسف حسین خاں صاحب بیرسٹر کی تقریر بھی مطبوع ہے جس کا آخری حصہ ملاحظہ ہو:

''دار الیتامیٰ کے بارے میں جناب سکریٹری صاحب (مولانا علی غضنفر) کے خدمات نہایت قابل قدر ہیں۔ ایمان کسی کا ہو اگر محض روٹی کے لیئے ہے تو وہ ایمان بالکل بے معنی ہے۔ ہمارے سکریٹری صاحب نے جو بلیغ کوششیں بلا کسی خاص ذاتی غرض کے کی ہیں ان کا شکریہ ادا نہیں ہوسکتا لہٰذا میں تجویز کرتا ہوں کہ مولانا سید علی غضنفر صاحب کا شکریہ ادا کیا جائے۔ میں نے اکثر اوقات سخت سے سخت خدمتیں ان یتیموں کی ادا کرتے دیکھا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کا ہاتھ منہ تک دھلاتے اور ان کو نہلاتے تک دیکھا ہے۔۔۔۔ مولانا علی غضنفر صاحب فوراً کھڑے ہو کر فرماتے ہیں میں ہرگز اپنے تئیں قابل شکریہ نہیں سمجھتا کیونکہ جیسی خدمت ان یتیموں کی کرنا چاہیئے وہ مجھ سے ہرگز ادا نہیں ہوسکی۔ اور جو کچھ ادا ہوئی وہ میرا فرض تھا۔۔۔۔ جلسہ کی آواز ''نہیں نہیں'' آپ ضرور قابل شکریہ ہیں ہم سب آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور تہہ دل سے شکرگزار ہیں۔ (نعرۂ صلوات)

قدوۃ العلماء کے اس عظیم کارنامے کے سبب آپ کے انتقال پر مولوی سید فرحت علی صاحب نقوی فرحتؔ جائسی نے فرمایا تھا ؎

شد امروز دار الیتامیٰ یتیم — زفقدان آں سید ذوالمنن
ملاذ ارامل معین یتیم — کس بیکساں بود سرو علن

ڈاکٹر سلطان محمود برقؔ بنارسی اپنی تعزیتی نظم

میں لکھتے ہیں کہ ؎

قدوۃ الملت جناب مولوی آقا حسن
ہادئ دین محمدؐ عاشق رب زمن
نائب حجت کا سایہ آہ سر سے اٹھ گیا
کم ہے گر محشر تلک اس غم میں ہم ہوں سینہ زن
خلق بھولیں کون سا اور یاد کس کس کو کریں
نقش ہے دل پر ہمارے آپ کا خلق حسن
شفقتیں ان کی کیئے دیتی ہیں ٹکڑے قلب کے
کس قدر لبریز تھا الفت سے حضرت کا سخن
اے فلک آخر کیا یہ تیرے ظلم و جور نے
ہو گیا دارالیتامیٰ آج سے بیت الحزن
روتے ہیں کس درد سے سر پیٹ کر اپنا یتیم
زیر دامن پل رہے تھے چین سے یہ خستہ تن
کون لے گا اب خبر ان بیکسوں کی اے خدا
کون پہنائے گا ان کو عید کے دن پیرہن
بھوکے خود رہتے تھے اور کھانا کھلاتے تھے انہیں
ساتھ بچوں کے کیا کرتے تھے الفت سے سخن

۷۔ ''۱۳۲۶ھ میں شیعہ سنی فسادات کے موقع پر آپ نے اپنے وقار وتدبر سے معاملات سنبھالے'' (مطلع انوار)

۸۔ مدرسۂ جعفریہ:۔

اس مدرسہ میں دینی و دنیاوی تعلیم کا انتظام تھا یعنی انگریزی، دینیات، عربی اور فارسی کے ساتھ صنعت وحرفت کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کے بانی قدوۃ العلماء تھے۔

۹۔ انجمن یادگار علماء:۔

اس انجمن کا افتتاح ۲۷/ربیع الاول ۱۳۲۸ھ میں حسینیۂ غفرانمآبؒ لکھنؤ میں ہوا جس کے بانی قدوۃ العلماء تھے۔ اس انجمن کا مقصد علماء کی کتابیں شائع کرنا تھا چنانچہ مذہبی کتابیں شائع ہوئیں مگر اہم کام عماد الاسلام (مصنفۂ غفرانمآب رحمۃ اللہ علیہ) کی تین جلدوں کی اشاعت ہے۔

۱۰۔ شیعہ بیت المال لکھنؤ

شیعہ بیت المال مرکز دینی تمام امور معاد ومعاش شیعیان اثناعشری کی اصلاح وترقی کے لیئے قدوۃ العلماء اعلیٰ اللہ مقامہ نے قائم کیا۔ اس کام میں قدوۃ العلماء کے معین و مددگار جناب قبلہ وکعبہ مولانا سید امجد حسین الہ آبادی صاحب، جناب قبلہ وکعبہ خطیب اعظم شمس العلماء مولانا سید سبط حسن صاحب، جناب قبلہ وکعبہ شمس العلماء مولانا سید ابن حسن نقوی صاحب، جناب قبلہ وکعبہ شمس العلماء ناصر الملت مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ، جناب قبلہ وکعبہ نجم الملت مولانا سید نجم الحسن صاحب جیسے علماء کرام تھے۔

اغراض ومقاصد شیعہ بیت المال:۔

۱۔ امریکن مشن کی طرح تمام شہروں قصبوں اور گاؤں میں مدارس دینیہ قائم کئے جائیں، واعظین و پیشنماز مقرر کئے جائیں۔

۲۔ یتیم خانے اور بیوہ خانے بحسب گنجائش قائم کیے جائیں۔

۳۔ علمی ومذہبی ماہنامہ کی اشاعت ہو۔

شیعہ بیت المال کے قیام کو کچھ ہی زمانہ گزرا تھا کہ ایک مدرسۂ دینیہ لکھنؤ میں بمقام نوازگنج قائم ہوا جس میں مولانا سید محمد صاحب کا بحیثیت مدرس تقرر ہوا۔ساتھ ہی بعض نادار طلبہ و نادار ایتام کی اعانت اور کچھ نادار طلاب وایتام اور بیواؤں کی پرورش بھی شروع ہوگئی۔اور پیشنماز حضرات بیرونجات برائے اقامت جمعہ وجماعت و بیان مسائل واجبات ومحرمات سفر کرنے لگے۔

۱۱۔ ماہنامہ ابلاغ

اس ماہنامہ کو قدوۃ العلماء آقائے قوم نے جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ مطابق نومبر ۱۹۲۸ء میں جاری کیا۔

ماہنامہ ابلاغ تبلیغ دین و دینیات ، اشاعت مسائل ومضامین علمی وتاریخی ،حمایت دین وعلماء اور ترسیل اخبار وحالات شیعہ بیت المال مع آمدنی وخرچ کے زیر حمایت جناب عمدۃ العلماء ذاکر شام غریباں مولانا السید کلب حسین صاحب نقوی مجتہد ناظر شیعہ بیت المال ابن العلامۃ الفہامۃ قدوۃ العلماء مولانا السید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد متولی شیعہ بیت المال وزیر ادارت عمدۃ الفضلاء الشاخین و زبدۃ الذاکرین والواعظین مولانا سید سبط محمد ہادی نقوی عرف کلن صاحب قبلہ خلف الصدق حضرت عماد العلماء فقیہ اہلبیتؑ مولانا السید مصطفی صاحب قبلہ مجتہد اعظم ہند مطبع عماد الاسلام میں چھپ کر دفتر شیعہ بیت المال جوہری محلہ ڈاکخانہ چوک لکھنؤ سے شائع ہوتا تھا۔

بعد قدوۃ العلماء اسی شیعہ بیت المال سے متعلق ایک شعبہ ''شیعہ تنظیم وحفاظت نومسلمین'' عمدۃ العلماء مولانا السید کلب حسین صاحب قبلہ نے بیادگار قدوۃ العلماء قائم کیا تاکہ غیر مسلمین کو دعوت اسلام دی جائے اور جب وہ اسلام قبول کرلیں تو ان کی ہر ممکن مدد کی جائے۔

حج وزیارات عتبات عالیات:۔

قدوۃ العلماء تین بار زیارات عتبات عالیات کے لئے سفر کرچکے تھے۔ چوتھا سفر آپ نے ۱۳۴۵ھ میں کیا اور زیارات مشہد مقدس وکربلائے معلی ونجف اشرف و سامرہ وکاظمین و حج بیت اللہ و زیارت مدینۂ منورہ سے مشرف ہوکر ۱۳۴۶ھ میں لکھنؤ واپس تشریف لائے۔

شاعری:۔

قدوۃ العلماء مصروفیتوں کے ہجوم میں کبھی کبھی شاعری بھی کرلیتے تھے۔نمونہ کے طور پر چند فارسی واردو میں اشعار حاضر ہیں:

سلام بدرگاہ عرشِ اشتباہ حضرت ضامن ثامن امام علی بن موسیٰ الرضا علیہما السلام

السلام اے قبہ ات ہمپایۂ عرش بریں
السلام اے روضہ ات چوں کعبہ بہر مومنیں
السلام اے بارگاہت قبلۂ اہل یقیں
السلام اے خاصۂ یزداں امام المتقیں
عالم علم لدنی مثل آبائے کرام
السلام اے جد تو استاد جبریل امیں

اے امام ضامن و ثامن ملقب با رضا
السلام اے آں کہ ہمنامِ امیرالمومنیں
اے کہ حبّ تو بود اجر رسالت بیگماں
آیت خاص مودت زیب قرآن مبیں
اے کہ از تو رونق بازار دین مصطفیٰ
السلام اے نائب فرزند ختم المرسلیں
اے شہ دنیا و دیں بر اکملؔ عاصی نگر
حاجت او کن روا اے بادشاہ مومنیں

منقبت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام

نہیں سائل پھرا ہے کوئی خالی باب حیدر سے
شواہد اس کے ملتے ہیں کلام خاص داور سے
ہیں شاہد ھل اتی کی آیتیں ایثار بیحد پر
سخاوت اونٹوں کی ادنیٰ ہے پوچھو جا کے قنبر سے
در حیدر کی دربانی شہنشاہی سے بہتر ہے
بھلا جمشید اور دارا کو کیا نسبت ہے قنبر سے
شجاعت اور فنون جنگ میں بے مثل و بے مانند
کیا حارث کو اور مرحب کو دو ٹکڑے برابر سے
اگر انصاف و قوت دیکھنا ہو آؤ خیبر میں
در خیبر کو بانٹا آپ نے کیسا برابر سے
کروں حج اور زیارت سب مشاہد کی میسر ہو
دعا مقبول ہو اکملؔ کی یا رب حبِّ حیدر سے

قدوۃ العلماء کے نوحوں کے چند شعر

آئی شب ضربت جو امام دوسرا کی
حالت ہوئی تغییر شہ عقدکشا کی

مدینے سے شہ کربلا جا رہے ہیں
زیارت کو سب اہل شہر آ رہے ہیں
دعا مانگیں بخشش کی کس منہ سے اکملؔ
ہم اپنے گناہوں سے شرما رہے ہیں

بانو کہتی تھی مرا راج دلارا نہ پھرا
کس گھڑی لال مرا رن کو سدھارا نہ پھرا

قدوۃ العلماء نے سید الواعظین امیر الشعراء مولانا سید وجاہت حسین نقوی ناظم اجتہادی کی تاریخ وفات اس طرح کہی ہے:

کل تو آئے تھے عیادت کو مری
دفعتاً مر گئے ناظم کیسے
۱۹۲۵ء

اولاد:

۱۔ ذاکر شام غریباں عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین نقوی صاحب مجتہد طاب ثراہ متوفی ۶/ اکتوبر ۱۹۶۳ء
۲۔ نور بی بی صاحبہ مرحومہ (لاولد)

تصنیفات:۔

۱۔ رسالۂ حرمان الزوجۃ عن العقار (فقہ استدلالی، عربی)
۲۔ رسالہ غسل واجب لنفسہٖ ہے یا واجب لغیرہٖ ہے۔
۳۔ ترجمۂ عماد الاسلام (یہ ترجمہ کچھ اجزا کا ہے)
۴۔ تفسیر قرآن (نامکمل)
۵۔ مجموعۂ فتاویٰ

٦۔حواشی واضافہ برتحفۃ العوام

۷۔مضامین ''معالم'' و''الناطق''

وفات حسرت آیات:۔

جناب قدوۃ العلماء نے پنجشنبہ ۱۲/ستمبر ۱۹۲۹ء مطابق ۷/ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ کو رحلت فرمائی اور حسینیہ غفرانمآبؒ میں مدفون ہوئے۔

آقائے قوم علماء وشعراء کی نظر میں

صاحب مطلع انوار مولانا الحاج سید مرتضیٰ حسین صاحب رقم سنج ہیں کہ ''مولانا بڑے فعال، بیدار مغز اور اصلاح پسند تھے۔طلباء سے محبت فرماتے تھے ہیئت میں مدرس کامل سمجھے جاتے تھے۔وہ بے حد مصروف تھے مثلاً مسجد آصف الدولہ میں نماز جمعہ وعیدین، نواب میر اصغر حسین صاحب (نرہی) کے مینیجر۔۱۹۰۹ء سے وقف فخر الدین حسین (بہار) کے مختار تھے۔پورے ملک سے مسائل کی دریافت وسوال وجواب اس کے باوجود انہوں نے ملک گیر ترقی کے لئے قومی حقوق وفرائض کا جائزہ لینے اور جدید رجحانات سے ہم آہنگ ہونے کی خاطر ۱۳۱۹ھ میں انجمن صدر الصدور قائم کی جو ۱۳۲۳ھ میں آل انڈیا شیعہ کانفرس کے نام سے موسوم ہوئی۔''

علامہ مجتبیٰ حسن کاموپوری صاحب قبلہ عمدۃ العلماء نمبر ''پیام نو'' لکھنؤ کے صفحہ ۲٦ پر لکھتے ہیں ''قدوۃ العلماء مولانا آقا حسن صاحب ۱۲۸۲ھ میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے علماء خاندان اجتہاد سے تحصیل کی۔مسجد آصفی میں امام جمعہ وعیدین مقرر ہوئے۔سماجی ذہن پایا تھا، قومیات میں دلچسپی لی۔۱۳۱۹ھ میں انجمن صدر الصدور قائم کی اور ۱۳۲۳ھ میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس۔۱۳۲۸ھ میں انجمن یادگار علماء قائم کی جس سے عماد الاسلام کی تین جلدیں شائع ہوئی۔''معالم'' اور ''الناطق'' اخبار نکالے۔ ۱۳۴۸ھ میں وفات ہوئی۔خاندان کی سرپرستی، غریبوں کی مدد، وضع کی سادگی، قومیات سے دلچسپی سے آپ کا حلقۂ اثر بہت وسیع ہو گیا تھا۔آپ نے اپنے بعد اپنا ہی جیسا ایک فرزند چھوڑا جس نے اپنے قومی خدمات اور مقبول خطابت سے اپنے باپ کا نام روشن کیا۔''

بندہ کے کرم فرما فاضل نبیل ادیب بے عدیل چودھری سبط محمد نقوی صاحب قبلہ اپنے مضمون ''رحمت مآب خانوادۂ اجتہاد کا ایک منارۂ نور'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''قدوۃ العلماء کو قدرت نے زبردست سماجی شعور و انتظامی وتنظیمی صلاحیتیں ارزانی کی تھیں۔اس عالمانہ زندگی کے باوجود اپنے خالہ زاد بھائی نواب مولوی میر اصغر حسین صاحب (نرہی) کی ریاست کا انتظام فرماتے تھے۔یہ سلسلہ غالباً عماد العلماء کی رحلت کے بعد منقطع ہوا۔

آج آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا جو بھی حال ہو اس کی بنیاد انجمن صدر الصدور وامامیہ اثنا عشریہ کانفرنس ہے جس کی تاسیس قدوۃ العلماء کے دست حق پرست سے ۱۳۱۹ھ میں ہوئی پھر اس کا نام ۱۳۲۳ھ میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس ہوا۔شیعہ کالج، شیعہ یتیم خانہ سب کا قیام اسی کے پلیٹ فارم سے ہوا۔ان سب میں قدوۃ العلماء کی فعالیت سب سے بالاتر رہی۔

انجمن یادگار علماء قائم کی جس نے نشر و اشاعت کا کام کیا۔ جناب غفران مآب کی شہرۂ آفاق تصنیف عماد الاسلام کی تین جلدیں اسی کی بدولت طبع ہوسکیں۔ ملت جعفریہ میں آپ کے اعتبار کا یہ عالم تھا کہ حسین گنج (بہار) میں جناب فخر الدین حسین صاحب کا وقف تھا اور تولیت لکھنؤ کے اس عالم جلیل کو سونپی گئی۔

آپ نے شیعہ بیت المال بھی قائم کیا جس کے تحت ایک مدرسہ بھی قائم ہوا جس میں علوم کے ساتھ فنون صنعت و دست کاری کی بھی تعلیم ہوئی۔ ''معالم'' اور ''الناطق'' نام کے رسالے بھی آپ کی سرپرستی میں جاری ہوئے۔ ان سماجی خدمات میں سرگرم رہنے کے باوصف قلم وقرطاس کو بالائے طاق نہیں رکھا۔ قلمی خدمات بھی یادگار ہیں۔''

علماء وطلاب علوم دینیہ سے قدوۃ العلماء کی بے پناہ محبت کا ایک جیتا جاگتا ثبوت

اجلاس ہشتم ۲۰؍اکتوبر ۱۹۱۴ء لکھنؤ کے صبح کے جلسہ میں خان بہادر سید کلب عباس نقوی ایڈوکیٹ نے صدر جلسہ کے بنائے ہوئے صوبہ وصوبجہ وتقسیم اور شیعہ آبادی اور علماء کی تعداد کے لحاظ سے جو نقشہ تیار کیا تھا اس کو درست تسلیم کرتے ہوئے اپنی تقسیم کو واپس لیا۔ پھر جناب سید آغا حسن صاحب بیرسٹر نے فرمایا کہ جناب صدر صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے اس کے لحاظ سے جو تعداد کل مقرر کی گئی ہے اس میں علماء کی تعداد بہت کم ہے لہٰذا میں جناب صدر (علامۂ حائری) ہی کی رائے کے موافق اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر جناب کلب عباس صاحب نے فرمایا کہ ''چند طالبعلم اور بڑھادئے جائیں'' اس جملہ سے لوگ ناراض سے ہوئے۔ دوسری تقریر میں کلب عباس صاحب نے فرمایا: ''معزز حاضرین میں نے ابھی ایک جملہ کہا تھا کہ 'کچھ طلباء اور بڑھادیے جائیں' چونکہ یہ جملہ بعض حضرات کو ناگوار گذرا لہٰذا میں اسے واپس لیتا ہوں۔'' جناب سرکار شریعتمدار حضرت قدوۃ العلماء نے فرمایا: ''آپ نے سخت توہین کی ہے۔ آپ طلاب علم دین کو کیا سمجھتے ہیں'' اس پر کلب عباس صاحب نے کہا ''آپ میرے بزرگ ہیں، میں معافی مانگتا ہوں'' پھر سرکار شریعتمدار قدوۃ العلماء نے فرمایا: ''مجھ سے نہیں سب لوگوں سے کہیئے'' آخر کار خان بہادر سید کلب عباس صاحب نے فرمایا: ''میں سب طالب علموں سے معافی مانگتا ہوں۔''

جلسۂ ششم ۲۰؍اکتوبر کو خطیب اعظم شیر اودھ مولانا سبط حسن نقوی صاحب اپنی معرکۃ الآراء تقریر کے آخر کلام میں فقہاء کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ ''یہ لوگ رہبان نہیں ہیں مگر ان کے صفات مافوق صفات انسانیت ہیں۔ تم ان کو برا کہتے ہو مگر وہ تم کو برا نہیں کہتے، تم ان سے علیٰحدگی چاہتے ہو مگر وہ تمہاری ہدایت سے کنارہ کشی نہیں کرتے۔ دینی اہانت اگرچہ خفیف ہی کیوں ان سے برداشت نہیں ہوسکتی۔ نہ انہیں لوم لائم کی پرواہ ہے اور نہ امور دینیہ میں کسی عزیز وحبیب و رقیب کی رعایت، دیکھئے سید کلب عباس کا یہ فقرہ کسی قدر طالبان علوم دین کی

اہانت کر رہا تھا قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ کو گوارا نہ ہوا اور انھوں نے اپنے عزیز بھائی کا خیال نہ کر کے کس قدر ان کو توبیخ فرمائی۔ یہ معنی ہیں اتباع رسولؐ و ائمہؑ کے اور یہ شان ہے ہمارے علماء کرام کی۔ ہماری بدقسمتی نے زیارت معصوم سے تو ہم کو بے بہرہ کر دیا، دعا فرمایئے کہ یہی اور ایسے ہی عالم پردۂ عالم پر باقی رہ جائیں اب میں اپنے کلام کو ختم کرتا ہوں اور طول سخن کے سلسلے میں معافی کا خواہاں ہوں۔''

مولوی سید علی یاور صدرآ اجتہادی مرحوم

ہم نے دنیا میں ملک صورت انساں دیکھا
ہاں وہ آقا حسن ہادیٔ ایماں دیکھا

جو سنوارا کیا تبلیغ کے بکھرے گیسو
فلسفہ جس کا ہر اک تار گریباں دیکھا

جس کو دنیا میں نہ تھی مسند و قالیں سے غرض
خاک پر مملکت علم کا سلطاں دیکھا

جس کے پیوند قبا میں تھی ادا پھولوں کی
دل کھنچیں جس کی طرف خود وہ گلستاں دیکھا

جس کے میخانۂ تقلید میں اکثر ہم نے
ایک سیلاب صفت مجمع رنداں دیکھا

جس کے اخلاق و کرم کا تھا رواں یوں چشمہ
پاس آیا کوئی کافر تو مسلماں دیکھا

تھی یتیموں کی کبھی فکر تو رانڈوں کا خیال
جس کو ہر اک کے لیئے درد کا درماں دیکھا

پھیر کر اپنی نظر جلوہ گہہ ہستی سے
جس نے دنیا کو فقط صورت زنداں دیکھا

خشک روٹی پہ قناعت کی دمکتی مہریں
جس کو سب نے صفت بوذر و سلماں دیکھا

روح پرور سرقرطاس مسائل جس کے
جن کے الفاظ کے دامن میں گلستاں دیکھا

جس نے تصنیف کی دنیا میں گذاریں راتیں
علم سینے میں چراغِ تہہِ داماں دیکھا

جب کسی چاہنے والے کی مصیبت سن لی
گھر سے باہر صفتِ زلفِ پریشاں دیکھا

جس کے دم سے ہیں یہ مذہب کے ادارے زندہ
عہد کا اپنے جسے عیسیٔ دوراں دیکھا

الفت آلؑ پیمبرؐ تھی نہاں رگ رگ میں
قلب کو جلوہ گہہِ شاہ شہیداں دیکھا

جس نے شبیرؑ کا ماتم کیا بازاروں میں
پابرہنہ تو کبھی باسرعریاں دیکھا

دین حق پر کبھی باطل نے جو نظریں ڈالیں
ہم نے بپھرا ہوا یہ شیر نیستاں دیکھا

یاد ہیں صورت مزدور ادائیں اس کی
جس کو دنیائے شریعت کا سلیماں دیکھا

قوم کی ڈوبتی کشتی کو سنبھالا اس نے
جب کبھی سر کو اٹھائے ہوئے طوفاں دیکھا

ڈگمگائے نہ ہواؤں کے تھپیڑوں سے قدم
حدتِ مہر کو سرپر شرر افشاں دیکھا

لوگ آرام سے سوتے رہے خس خانوں میں
خدمت دیں میں یہ کھویا ہوا انساں دیکھا

صاحب عزم و عمل زینت محراب حرم
اپنے سینے سے لگائے ہوئے قرآں دیکھا
شکر معبود کا خود آج اسی کے گھر میں
ماہ کامل تو کوئی مہر درخشاں دیکھا
صدرؔ یہ مورث اعلیٰ کی دعا کا ہے اثر
ہر زمانے میں ہر اک رہبر ایماں دیکھا
تاقیامت یہ رہے شان الٰہی قائم
آج تک علم کا جس طرح چراغاں دیکھا

نوائے غم

ابوالبراء علامہ سید ظفر مہدی نقوی گہرؔ جائسی

حضرت قدوۃ العلماء اعلیٰ اللہ مقامہ کے انہماک دینی ،قوم پرستی ، نفس کشی ، کنبہ پروری ، خردنوازی ، اخلاق گستری ، خدمت دینی اور جد وجہد علمی سے زمانہ بے خبر نہیں اگر کوئی ذہن اس کا انکار یا کوئی قلم ان صفات کے ضد کا اقرار کرے تو یہ ایک کفران نعمت اور عظیم کفران نعمت ہوگا۔ آج کل کے زمانہ میں جب کہ ہوائے ضلالت کا زور اور طوفان دہریت کا شور ہے ، یہ جھلملاتی ہوئی شمع ہدایت اپنی پوری نور بار طاقت سے راہ ہدایت پر چھوٹ ڈال رہی تھی اور یہ سفینہ اس تلاطم خیز طغیانی میں تدبر کے امواج کو چیرتا ہوا صحیح منزل مقصود پر متمسکین کو پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا کہ دفعتاً **بفحوائے** ''تجری الریاح بما لا تشتهی السفن'' باد مخالف کے جھونکوں نے شمع زندگی خاموش کر دی اور وہ آتش غم جو اہل تشیع کے دلوں میں پنہاں تھی اور جو ہنوز خاموش نہ ہوئی تھی پھر بھڑک اٹھی۔ درحقیقت واقعہ کی عظمت کو اگر نگاہ غور سے دیکھا جائے تو یہ وہ چیز ہے جس کا جبر کسر اگر محال نہیں تو ناممکن ضرور نظر آتا ہے۔ ہمیں ان کے پسماندگان خصوصاً جناب مولوی سید کلب حسین صاحب عرف کبن صاحب قبلہ سے دلی ہمدردی ہے اور ہمارے تمام جذبات تسکین ان کے ہمراہ ہیں۔ رسم دنیا کے لحاظ سے نہیں، بلکہ طریق تعزیت وتسلیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ چند اشعار بہ حیثیت تعزیت نامہ پیش کش ہیں۔

قطعۂ تاریخیہ

بگریست جہاں زخوں درین سبز خیام
چون ابر بہار و دیدۂ ابن حزام
بر مربع علم دین و آثار کمال
کایں رفت بباد و آں بنقص است تمام
بر خاک قدم منہ کہ ز اجساد است
آہستہ خرام بلکہ اے دل مخرام
این قافلہ رفتنیست از صحن وجود
واللہ مداوک لتلک الایام
کآں بود بوقت صبح خورشید شرف
بنمود میان شام تربت آرام
آں مہر کہ بر سپہر ہستی بیتافت
تبدیل مقام کرد و تفویض خیام

بر فقد خلیل و آل او می نالد
با چشم پر آب زمزم و رکن و مقام
اینک حرمین ماتم و غم دارند
در ہجر رسول و عترت خیر انام
از دوش نبی فرود آمد چو امیر
خوابید بخاک، بعد قلع اصنام
در دہر بماتم حسین ابن علی
دل مضطرب است ہمچو طیرے دردام
در ماتم اہل علم نالیم ہے
کانانکہ بشرع و دیں نمودند قیام
رفت از چمن جہاں کلینی و صدوق
آمد بمفید ہم اجل را پیغام
ذکر علم الہدیٰ بدہر است دلے
مانند رضی رسید در دار سلام
پرواز بخلد کرد ابن طاؤس
تا روح مقدس آمد از موت سہام
از رحلت آملی اہل شد کوتاہ
در ماتم مجلسی بحار است مدام
در بحر علوم صیحہ دارد عالم
از آل طباطبا ست در ما غم عام
درہند ز آل پاک علامہ عصر
دلدار علی سحر شدہ بعد ظلام
عبرت کدۂ جہان ہمین دارد رسم
دنیا ست ہمہ رحیل والناس نیام

دیروز بباقرے بود آن ماتم خاص
امروز بقدوۂ شد این نوحۂ عام
آقا حسن آن فرشتہ خوئے بربست
رخت از سر دہر و کرد در خلد مقام
آواز ز قبر او رسید از پئے سال
''افتاد از فوت من، عماد الاسلام''

۱۳۴۸ھ

قطعات تاریخ

مولوی سید فرحت علی نقوی صاحب
فرحتؔ جائسی اعلی اللہ مقامہ

چو آمد ہفتم ماہ ربیع دوّمیں دردا
بروز پنجشنبہ عالم دیں در زوال آمد
کہ باشد عالم دیں مولوی آقا حسن صاحب
کہ ذاتش چارہ ساز بیکساں و خستہ حال آمد
عماد عالماں بودہ جلال قاضیاں بودہ
کمال مفتیاں بودہ ز ضعفش چوں ہلال آمد
فقیہ کامل و باذل، ادیب عاقل و فاضل
کجا رفتہ از ایں عالم بہ قلبم ایں خیال آمد
دریں حیرت بدم تا شب کہ ملا شد کجا یا رب
مثال برق ایں مضمون بہ فانوس خیال آمد
چو گفتہ شصت و شش سالش زعمر فاضل دوراں
ندا زد داعئ خالق کہ وقت ارتحال آمد
چو بشنید ایں صدائے غیب بس لبیک فرمودہ
بصد شادی بدرگاہِ خدا آں ذی کمال آمد

نوشتہ کلک فرحتؔ فی البدیہہ فقرۂ موزوں
''غروب ماہ اوج حلم'' سال انتقال آمد

سنہ ۱۳۴۸ھ

بیوم الخمیس آہ شد لکھنؤ
ز فقدان تو آہ دارالحزن
ز اصرار احباب سال وفات
رقم کرد فرحتؔ چنیں دفعتن
بگفت ہاتف غیب از روئے جاں
رقم کن ''قضا کرد آقا حسن''

سنہ ۱۳۴۸ھ

مولانا عالم حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ

مہر چرخ کمال بدرتقی   شد چو در مغرب لحد محجوب
بدل زار سال او گفتم   آہ آہ آفتاب کرد غروب

۱۹۲۹ء

جناب مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی مرحوم

جناب حجۃ الاسلام قدوۃ العلماء
چراغ کعبۂ دیں نورِ ملتِ بیضا
فقیہ آل محمد خلاصۂ دوراں
سپہر علم ستون شریعت غرا
اگر ز روئے حسب ہیں نمونۂ اسلاف
وگر ز روئے نسب ہیں سلالۃ النجبا
اگر بعلم و عمل ہیں رضی و شیخ و مفید
وگر بخلق حسن ہیں خلاصۃ الصلحا
اگر بزہد و ورع ہیں ابوذر و سلماں
وگر بصدق و صفا ہیں سجنجل عرفا
بلند کرد ز نیروئے بازوئے ہمت
لوائے فضل و شرف تا بہ گنبد خضرا
فروغ جلوۂ رویش بسان شمع طور
ضیائے سینۂ پاکش چو سینۂ سینا
بہ بست رخت سفر سوئے گلشن فردوس
نبود منزل پاکش خرابۂ دنیا
بفرق تاج زمرد بہ بر عبائے نور
ببیں شکوہ جمالش بہ جنت الماوا
سریر خلد ز نورش گرفت جلوۂ نور
بہشت گشت منور ز طلعت زیبا
عزیزؔ مصرعِ فوتش شنید از رضواں
''بہ خلد منبع انوار قدوۂ العلماء''

سنہ ۱۳۴۸ھ

حضرت ماتیؔ جائسی مرحوم

آں قدوۃ العلماء کہ بد آقائے ارباب یقیں
روتافت از دنیا و شد در جنت الماویٰ مکیں
آہ از غم دلدوز او از فرقت جانسوز او
دل را سیہ شد دوز او جان حزیں ماتم گزیں
ظل ہمایونش بسر، خوش زیست می بزدم بسر
غافل از ایں سر تا بسر یعنی قضا است اندرکیں
گشت از جفایش ناگہاں برہم نظام جسم و جاں
طرحے بیفگندہ کز آں شد انہدام رکن دیں

بودم بایں غم مبتلا کز بہر تاریخ آمدہ
از پیش رضوانم ندا ''منزل گہش خلد بریں''

۱۳۴۸ھ

مولانا سید متقی حسن صاحب متقی پیشنماز سرسی

عابد و زاہد تقی و متقی و مہتدی
رہنما و پیشوائے افضل و اعلائے من
عالم و فاضل فقیہ و مقتدا و مجتہد
مفتی شرع متین و والی والائے من
حاجی و زوار و باکی عاشق نام حسین
قبلۂ دین من و آں کعبۂ دنیائے من
خانۂ دیں را عماد و سقف ایماں را عمود
گفت خود اسلام قدر و منزلت افزائے من
گو پئے تاریخ فوت آں عمید اے متقی
''عامد جنت شدند آقا حسن آقائے من''

۱۳۴۸ھ

جناب یونس حسین صاحب یونس زید پوری

اہل عرفاں عالم دیں مولوی آقا حسن
راہئی خلد بریں شد از گلستان جہاں
بگذر از شرح محاسن مختصر بشنو ز من
حسن خلق او عیاں حسن سلوک او نہاں
پیروِ آل محمد خضر راہ معرفت
حاکم شرع نبی محکوم رب انس و جاں
خامۂ یونس رقم زد از پئے تاریخ فوت
''رہبر دیں مولوی آقا حسن جنت مکاں''

۱۳۴۸ھ

جناب مہذب لکھنوی صاحب مرحوم

از مردن آقا حسن پیدا شدہ رنج و محن
محو فغاں گشتہ دل ہر مرد و زن باصد الم
وقت رقم آواز غیب آمد مہذب از فلک
مولائے بیت المال کردہ زینت قصرارم

۱۳۴۸ھ

مولوی سید مومن حسین صاحب وکیل فریاد مرحوم رائے بریلی

جناب حجۃ الاسلام سید آقا حسن
باحترام و باعزاز قدوۃ العلماء
سن وفات سر قبر زد رقم فریاد
دریں مزار بصد ناز قدوۃ العلماء

۱۳۴۸ھ

مولانا محمد حسین صاحب نوگانوی مرحوم

وا دریغا وا دریغا وا دریغ
دو جہاں میں ہو گیا محشر بپا
حضرت مہدیؑ کے نائب اٹھ گئے
افضل عالم فقیہ بے ریا
زہد میں ایثار و علم و فضل میں
رکھتے تھے امثال میں پایہ بڑا
فکر جب تاریخ کی مجھ کو ہوئی
سر گریباں میں ذرا ڈالا ہی تھا
یہ ہوا تاریخ کا مصرع بہم
''مولوی آقا حسن نے کی قضا''

۱۳۴۸ھ

جناب سید سمی حیدر نقوی ثمینؔ جائسی

(منجانب انجمن حسینی جائس)

حضرت آقا حسن صاحب فقیہ مؤتمن
جن کے اٹھ جانے سے ویراں ہے فقاہت کا چمن
گو بظاہر ہم سے وہ ایک نفس قدسی اٹھ گیا
دل میں لاکھوں میتیں لیکن لئے ہے انجمن
تھا عجب اوصافِ ذاتی کا وہ مالک راہبر
گھر میں اک خاموش عابد بزم میں شمع سخن
امر حق میں سبط اکبر کی طرح اک جانفروش
صلح کل ذاتی مسائل میں تھا وہ مثل حسن
اسقدر جو وضع کا پابند تھا کیا ہو گیا
بزم میں آتا نہیں بے چین ہیں اہل وطن
او فرشتہ خو تیری مہماں نوازی کیا ہوئی
بھا گیا کتنا تجھے قرب و جوار پنجتنؑ
آئے ہیں اہل وطن سب، کچھ تو لے ان کی خبر
باعث تسکیں ہو دم بھر کھینچ لے سر سے کفن
پیشوائے اہل عالم اب کہیں ملتا نہیں
مبتلائے غم ہے جائس کی حسینی انجمن

جناب مولانا خادم حسین صاحب قبلہ

اِذَامَاثَوٰی فِی الثَّرٰی فَرْدُعَصْرٍ
وَحِیْدُالزَّمَانِ الْجَلِیْلُ الْعَظِیْمُ
فَطَارَأسئیَ مِنْہُ قَلْبُ الشَّجِیّ
وَنَاحَ عَلَیْہِ الْخَلِیْلُ الْحَمِیْمُ
فَحِیْنَئِذٍ قُلْتُ حُزْنًا وَغَمّاً
لَہُ الْیَوْمَ فِی الْخُلْدِاَجْرٌ کَرِیْمٌ

سـ۱۳۴۸ـہ

رشحات قلم حضرت حجۃ الاسلام آیۃ اللہ فی الانام جناب المولیٰ السید کلب مہدی الحائری طاب ثراہ

یدالردی ای عمادھوی
من جورک الجائر منہ الوریٰ
وای سیف ویک اغمدتہ
فی التراب قد کان شدید المضیٰ
وای بدر من من بدور الھدیٰ
واریتہ من لحدہ فی دجیٰ
وای صدر من صدور العلیٰ
سحبتہ من دستہ للثریٰ
وای صعب قدتہ لم یکن
ینقاد فی الدھر لذل البریٰ

اے دست ہلاکت تیرے اس ظلم وستم سے کیسے عظیم الشان ستون کو جھکنا پڑا جس سے تمام خلق نالاں ہے۔
وائے ہو تجھ پر کہ کس شمشیر براں کو تونے نیام خاک میں پوشیدہ کر دیا۔
اور کس بدر ہدایت کو تونے تاریکی لحد میں پنہاں کر دیا۔
صدر نشینان مجد و بزرگی میں سے کیسے صدر نشین کو تونے اس کی مسند سے کھینچ کر خاک تک پہنچا دیا۔
کس آن بان والے زبردست کو تونے مطیع وزیر دست کر لیا جو کہ کسی کی زیردستی گوارا نہ کرتا تھا۔

وای زندٍ بصلو دٍ رمیت کان لم لیستور الاوریٰ	کیسے با کار کو تو نے بیکار بنا دیا جو ہمیشہ وقت پر لوگوں کے کام آتا تھا۔
اوریت فی احشائنا کمدةً باعثه الی الحلوق الشجا	تو نے وہ آتش غم واندوہ سینوں میں بھڑکا دی جس کے شعلے گلوگیر ہوتے ہیں۔
ای خصمٍ انت غیضته قد کان فیاضاً ابلج الندیٰ	کیسے بحر ذخار کو تو نے سکھا دیا جس کے امواج جودوسخا متلاطم تھے۔
عذب فرات سائغ یحمدا لو ارد منه الورود المصدرا	ایسا کریم وعظیم الخلق کہ جس کے پاس اہل حاجت آتے جاتے ہر طرح پر خوش اور اس کے ثنا خواں تھے۔
افعاک فی الهند لدیغ لها وفی العراق السم منها سری	تیرے ناگن نے ایسا ڈسا کہ جس کا زہر ہند سے زمین عراق تک پہنچا۔
ورزیة عمت فغمت بها قلوب سکان اقاصے الدنے	یہ وہ عالم گیر مصیبت ہے کہ جس نے تمام عالم کو اندوہناک بنا دیا۔
فادحة قادحة فی الخشی زنداسیٔ یخطف عین الاسے	یہ وہ مصیبت ہے جس نے ایسی چقماق حزن وبیقراری کی دلوں میں روشن کی جس کی وجہ سے تسلی وقرار جاتا رہا۔
اجل هو الرزء الاجل الذی قدو ما کل الرزایا سوا	ہاں یہ وہ مصیبت عظمیٰ ہے جو کہ زمانہ میں اپنی عظمت میں منفرد ہے اور مصیبتیں یکساں نہیں ہوا کرتیں۔
اوجع قلب المصطفیٰ وقعه والدین اشجا بالذی قد دهے	محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب اطہر جس نے مقروح کر دیا اور دین مبین کو ان کے مغموم ومحزون بنا دیا۔
عثرة دهرٍ مثلها لا تقا ل زعزعت فیها سواری الهدیٰ	یہ زمانہ کی وہ ٹھوکر ہے جس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا جس سے ستون ہدایت لرز گئے۔
مشی عمی بعثر حتی غدا عماد علیاه له المعثرا	زمانہ نے اپنی کورانہ روش میں چلتے چلتے اپنے ستون بزرگی کو بھی ٹھکرا کر گرا دیا۔
من آل بیت المصطفیٰؐ من غدا بکل فضل مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ	وہ ستون جو کہ ذریت رسول سے اور ہر فضل برگزیدہ کی وجہ سے خود بھی برگزیدۂ خلائق تھا۔
وبحر علم قاذفٍ قعره بالدرر الافذاذ اما طمے	وہ علم کا وہ دریا تھا کہ جب جوش زن ہوتا تھا تو در یکتا اس کی تہ سے خارج ہوتے تھے۔

سدید رأيٍ أخرا الحزم ما
بادئَے دئ قال فیما ارتأے
ابلج بسّام الثنایا فان
یقطب فاسرعه للرضا
یخضع للناس علی عزة
اسدلها الله علیه ردا
یامر بالعرف له فاعلا
وینتهی عما سواه نهیٰ
من معشر قاموا بما حمّلوا
جزوا عن الاسلام خیر الجزا
شمّر بها لیل عرا انینهم
ما خلقت الا لشمّ العلیٰ
دعوا الی اللّٰه وقد شمروا
لاذیال هادین طریقا سویٰ
بجدهم فی الهند عاش الهدیٰ
موطد الاساس رفیع البنا
واظهر الحق عیاناً وقدٍ
کان ضئیلاً شخصه لا یریٰ
بذی فقار الحزم منه علا
ذکر فتیً فی وصفه لا فتیٰ
هم ضمنوا الدهر ان یوقودا
کاهله مجداً بفضلٍ زکا
وهم مکائیل معال به
اقفزه الحکمة صوع النهیٰ

جس کی رائیں ایسی مستحکم ومصیب تھیں کہ جو کچھ وہ بادی النظر میں کہہ دیتا تھا وہی منتہائے حزم ذی الرائے ٹھہرتا تھا۔

جو کہ نہایت روشن اور ہنسمکھ تھے اور اگر غصہ آیا بھی تو فوراً مبدل بہ رضا ہو گیا۔

جس امر خیر کی طرف لوگوں کو رغبت دلاتے تھے خود بھی اسے کرتے تھے۔

باوجود خدائی عزت وآبرو کے جو کہ انہیں لوگوں میں حاصل تھی ہمیشہ تواضع سے پیش آتے تھے۔

یہ بزرگ اس خاندان سے تھے جنھوں نے اپنے خدائی فرض کو خوب ادا کیا خدا ان کو اسلام کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

وہ ایسے رفیع القدر عالی منزلت اور عالی منش تھے کہ ان کے دماغ میں بجز بزرگی دارین کی بو کے کبھی کسی پستی کی بو سمائی ہی نہیں

نہایت مستعدی سے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دی اور اس کی سیدھی راہ دکھائی

ان کے جد اعلیٰ (سید دلدار علیؒ صاحب) کی کوششوں سے ہندوستان میں ہدایت کے اساس قائم ہوئے اور بلند عمارتیں اس کی قائم ہوئیں۔

ہندوستان میں ان کی وجہ سے حق نے نام ونشان پیدا کیا۔ بعد اس کے کہ گمنام وبے نشان تھا۔

اپنی ذوالفقار علم سے ذکر جناب امیر المومنین کو قائم کیا اور شیعوں کو سنیوں سے ممتاز کیا۔

ان کی ضمانت میں زمانہ کا بزرگواری اور فضیلت سے باربردار ہونا تھا۔

وہی اس کی بزرگیوں کے پیمانے تھے حکمت وعقل انہیں کے قالبوں میں تھی۔

لهفي و هل لهفي من شافع
لمن غدا رهن غريم الردیٰ

ہائے افسوس اور کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے افسوس سے جو کہ عقل ہلاکت کے ہاتھ میں رہن ہو۔

عضنضت كفّي و بناني معاً
علیٰ وريق ثامرٍ قد ذویٰ

میں کف افسوس مع انگلیوں کے دانتوں سے چباتا اس شاخ کے خشک ہو جانے سے جو بابرگ وثمر تھی۔

و كنت افديه بروحي و لكن
اخيذ الموت لا يفتدیٰ

اور اپنی جان بھی اس پر فدا کر دیتا لیکن چارہ موت کے ہاتھ میں جو رہن ہوا ہو وہ چھڑایا نہیں جا سکتا۔

يا بذر تم العلیٰ كاملا
به ضياء الشرف المتقیٰ

اے بزرگی کے وہ چاند کہ جس سے شرف خالص کی روشنی کامل ہوئی۔

ما اظلم الهند و ارجائها
مذ وجهك الزاهر عنها اختفیٰ

کس قدر تاریک ہیں ہند اور اس کے گوشے جب سے اس کا روشن کرنے والا خاک میں چھپ گیا۔

و اشغر الدين بموت امرئٍ
كان به من عزه لا في حمیٰ

اور کیسے غیر منظم امور دین دکھائی دیتے ہیں اس کے مرجانے سے جس کی حمایت میں دین تھا۔

من الحياری بعدهٗ اضحوا
في عمهٍ لا يبصرون الضيا

ہائے ان کے بعد کون یار و مددگار ان حیرت زدوں کا ہے جو کہ وادی حیرت و اضطراب میں سرگرداں ہیں کہ ضیائے ہدایت کو دیکھنے سے محروم ہیں۔

و من الطلاب العلوم التي
لها هو المبدٔو المنتهیٰ

ہائے کون تسلی بخش ہے ان علوم کے طالبوں کا جن علوم کے وہ مبدأ و منتہی تھے۔

و اسفا بعدك يا حامي الا
سلام من يدرء عنه العدیٰ

ہائے افسوس اے حجۃ الاسلام آپ کے بعد اسلام کے دشمنوں کو کون رفع کرے گا۔

فحذم صدق كنت في كفه
كم هزم الكفر به اذ سطا

آپ اسلام کے لئے وہ شمشیر براں تھے کہ بارہا اس نے کفر کے لشکر کو شکست دی تھی۔

من كاده بالسحر من قيله
لسحره كنت مكان الرقیٰ

جو اپنی سحر بیانی سے اسلام کی خرابی پر آمادہ ہوتا تھا تو آپ گویا بطلان سحر کے منتر تھے اور اس کے سحر کو جواب شافی سے باطل کر دیتے تھے۔

قد عشت في دنياك عيش امرئٍ
لذاته شاب بذكر فنا

دنیا میں زندگی آپ نے مثل اس شخص کے بسر کی جس نے ہمیشہ اپنی لذتوں کو یاد آوری موفنات سے بے مزہ کر دیا۔

ولم یردها لسوی انها
مزرعة محصودها للبقا
فطاب ما قلت وطاب الذی
فعلت والحرُ حری بذا
ولم تر النفس سوے ما بها
تعتز والذلة موت الفتیٰ
قالوا افقدنا الخیر من بعده
قلت نعم فی لحده اقبرا
قالو فما او حشنا فقده
قلت ومثواه به استأنساً
قالو اخصال الخیر فیمن نریٰ
قلت ابنه الخیر لها المریحیٰ
قالوا امتیٰ ینجز هٰذا الرجا
قلت هو الیوم عمید الهدیٰ
عادیُ مجد ماله مزحل
عنه ولا عاریة تقتضیٰ
جمال دین المصطفیٰ عزه
فتیٰ المعالی الغرة کهل الجمیٰ
والنطس الحبر زعیم العلیٰ
والعلم العلامة یقتدیٰ
صبراً وما صبرک من
عن اشتباک الحدیب عند اللقا
انا فروع من اصول ذات
فی عاصف الموت فانی الثوا

اور دنیا کو کسی غرض سے طلب نہ کیا مگر اس لئے کہ وہ مزرعہ آخرت ہے۔

اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے اقوال و افعال سب پاک و پاکیزہ تھے اور آزاد منش کو یہی چاہیئے۔

آپ نے اپنے نفس کو جو پہچانا تو انہیں کاموں کے لئے جن سے عزت دارین حاصل ہو اور ذلت سے تو جوانمرد کو مرنا اچھا ہے۔

لوگ باکمال افسوس کہنے لگے کہ ہائے اب کاہے کو ہمکو نیکی کا منہ دیکھنا نصیب ہوگا میں نے کہا ہاں نیکی بھی انہیں کے ساتھ دفن ہوگئی۔

لوگوں نے کہا کہ کسقدر ہم لوگ ان کے اٹھ جانے سے وحشت ناک ہو گئے ہیں میں نے کہا ان کے خوابگاہ کو توان سے نہایت انس ہے۔

وہ لوگ بولے کہ خصال خیر ہم کس میں پائیں میں نے کہا کہ ان کے فرزند سعادتمند سے امید رکھو۔

لوگوں نے کہا کب یہ آرزو پوری ہوگی میں نے کہا آج ہی وہ رئیس ہدایت ہیں۔

جن کی بزرگی آبائی ہے ان سے جا نہیں سکتی اور نہ مستعار ہے کہ پھیر لی جائے۔

جو کہ دین نبیؐ کی زینت اور عزت اور روشن بزرگیوں کے حاصل کرنے میں جوانمرد اور پختہ کار ہیں۔

جو کہ کامل و یکتا اور صاحب فضل و نقاد و علامہ و مقتدیٰ ہیں۔

آپ صبر کیجئے اے صاحب بزرگی و پشت پناہ بلندی اور راضی برضائے خدا رہئے۔

ہم ان سب اصول کے فروع ہیں جو موت کی تیز ہوا کے جھونکوں سے خشک ہوگئے اور بھلا کون دنیا میں ہمیشہ رہ سکتا ہے۔

ان عظم الرزء فانی اریٰ
انک لاقیه بطودٍ رسا

اگر یہ مصیبت بزرگ ہے تو میں جانتا ہوں کہ تم بھی وہ کوہ صبر ہو کہ جو ثابت وراسخ ہے۔

اصم لایقرع منه الصفا
وللخطوب الصم لن یخشعا

اور وہ ایسا کوہ سخت ہے کہ جس کو کھٹکھٹانے سے اس میں کوئی شگاف نہیں پڑتا اور مصائب عظیمہ سے نرم وخاشع نہیں ہوتا۔

لله ما اعظمها نکبة
ذرت علی الدنیا رماد الاسیٰ

یہ کسقدر عظیم مصیبت ہے کہ جس نے تمام دنیا پر خاکستر حزن کو چھڑک دیا۔

لقد نعی الناعی علی اغرّة
فادهش الناس بما قد نعی

یکا یک خبر موت دینے والے نے ایسی خبر موت سنائی کہ جس سے تمام لوگ وہشتناک ہو گئے۔

فی فمه الکثکث من ناعب
من ذا نعی الناعی بما ذا اتی

اس خبر دینے والے کے منہ میں خاک پتھر یہ کیسی کس کی سنانی لایا اور کیسی سنانی سنائی۔

لم تک معاة ولکناه
فیها مناعٍ اذنت بالبلا

یہ ایک سنانی نہ تھی بلکہ بہت سی سنانیاں تھیں جنہوں نے بلا کی خبر دی۔

قد نعی الاسلام فی نعیه
والمجد والجود وسر العلیٰ

اس ایک سنانی میں اسلام کی سنانی اور مجد وفخر و بزرگی کی سنانی آئی۔

یا باعداً تمثاله نصب عینی
وان غیب تحت الثریٰ

اے وہ مرنے والے کہ جس کی صورت ہمیشہ پیش نظر ہے اگرچہ تو تہ خاک ہے۔

اصابک الغیث وان کانت
الغلة فی صدری لن تنقعا

آپ پر بارش رحمت ہوا کرے اگرچہ میرے سینہ کی بھڑک کی کبھی سیرابی نہیں ہوگی۔

جر علی قبرک اذیاله
هاموة تخضل منها الربی

وہ ابر باراں آپ کی قبر پر اپنا دامن کھینچتا ہوا گذرے کہ جس سے زمینیں تر ہو جائیں۔

مدّ الاوالی بتوالٍ له
بقدح فیها البرق زنداً وری

وہ ابر کہ جس کے اوائل کی مدداں اواخر سے ہوتی رہے کہ جن میں اس کے چقماق کی برق کوندتی ہو۔

خیر اخٍ کنت لراثک یا
من موته اوهن منی القویٰ

آپ بہترین برادر تھے اپنے اس مرثیہ گو کے لئے اے وہ شخص کہ جس کی موت نے کمر ہمت سست کر دی۔

واننی سوف الاقی الذی لاقی وماضٍ کل من قداتیٰ	اور میں بھی عنقریب اسی سے ملنے والا ہوں جس سے آپ ملے ہیں اور ہر آئندہ روندہ ہے۔
ما اقرب الحی الیٰ موته غایة الموت دنا او نائی	حیات والا اپنی موت سے کسقدر قریب ہے کیونکہ غایت اس کی موت ہے قریب ہو کہ دور۔
وانما الدهر فناء الفنا من فیه مکتوب علیه الجلا	اور دنیا تو موت ہی کا مقام ہے اور اہل دنیا اسکے چھوڑ دینے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔
غاراته مشنونة لن نریٰ لعکبها المرهج عنا انجلا	جو اس میں فوائد ہیں وہ سب موانع ہیں اس کی برائیوں کا غبار ہر حال میں چھایا رہتا ہے۔
یا ویح نفسی کیف ضیعتها فی سخط اللّٰہ و فیما نهی	افسوس ہے میرے حال پر کیسا اپنے نفس کو ضائع کر دیا ہے ناراضی اور نافرمانی میں خدا کی۔
اهملتها فی مرتع من هویٰ ولم ارضها بخشاش التقی	میں نے اس نفس کو ایک خواہشوں کے وسیع چراگاہ میں چھوڑ دیا اور اس کو تقویٰ کی تکمیل سے اپنے قابو میں نہ لایا۔
حتی طغت راکبةً غیبها واقبحت لی فی مهاوی الخطا	یہاں تک کہ وہ سرکش و گمراہ ہو گیا۔ اور مجھے گناہ و خطا کے عمیق گڑھے میں گرا دیا۔
وهت شیبا واضمحل القویٰ وبی الی الآثام تعدو الخطا	پیری سے میں ضعیف و سست ہو گیا۔ اور قویٰ سب ضعیف و بیکار ہو گئے مگر گناہوں کی طرف میرے قدم تیز رفتار ہیں۔
لا ابعد اللّٰہ کراماً مضوا بهم لنا الاسوة فیمن مضی	ذکران بزرگوں کا جو گذر گئے۔ زندہ رہے اس میں ان سے تاسی ہے گذرنے والوں میں۔۔
فلنتبعهم ما حیینا بذا لخیر لدارینا بحسن اقتفا	ہم کو لازم ہے کہ انہیں کی پیروی کرتے رہیں تاکہ حسن پیروی کی بدولت خیر دارین ملے۔
ونسئل المنان توفیقا لما له فیه یکون الرضا	اور خدا سے یہ دعا ہے کہ وہ ہم کو ان باتوں کی توفیق دے جن میں وہ راضی رہے۔

کفیل بیکساں

جناب سید تنویر مہدی نقوی تنویرؔ نگروری صاحب

اور کفیل بیکساں آقا حسن بے زبانوں کی زباں آقا حسن
پیچھے پیچھے عظمتوں کا کارواں اور میر کارواں آقا حسن
خانۂ ایتام کے روحِ رواں بیکسوں کے مہرباں آقا حسن
حلقۂ علم و ادب کے درمیاں ایک بحر بیکراں آقا حسن
آسماں کے مثل زیرِ آسماں ایک فخر آسماں آقا حسن
ملت اثنا عشر کے پاسباں رہبر امن و اماں آقا حسن
پیرو آل نبی، شیریں زباں شاعر جادو بیاں آقا حسن
آپ کے اوصاف کیوں کر ہوں بیاں میری قاصر ہے زباں آقا حسن
ایک اک تحریک سے ہے یہ عیاں کامیاب و کامراں آقا حسن
اپنے خود اجداد کے شایان شان نازشِ ہندوستاں آقا حسن
کیا لکھوں تنویرؔ ان کی داستاں داستاں در داستاں آقا حسن

قطعات تاریخ

وفات حسرت آیات غفران مکان نور اللہ مرقدہ

ایک مدت سے جو لوگوں کے تھے خواب آقا حسن
عہد میں اپنے وہ لائے انقلاب آقا حسن
سنہ ہجری میں لکھی تاریخ رحلت با صفات
جان ایماں، مجتہد، عزت مآب آقا حسن
۱۳۴۸ھ

محسن الملت لکھا، لکھّا یتیموں کے کفیل
پھر بھی یہ احساس کچھ لکھا نہیں آقا حسن
مصرعِ تاریخ رحلت عیسوی سن میں لکھا
شیعہ کالج کے محرّک فضل ہیں آقا حسن
۱۹۲۹ء

معمار قوم

انجینئر جناب شبیب اکبر نقوی شبیبؔ جائسی صاحب، حیدرآباد

قوم کے معمار تھے آقا حسن　عالم بیدار تھے آقا حسن
کہتی ہے تحریک بیداری یہی　شیعوں کے سردار تھے آقا حسن
قوم کو راہ ترقی دے گئے　کیسے خوش رفتار تھے آقا حسن
شیعہ کالج کے مؤسس تھے جناب　وقت کے شہکار تھے آقا حسن
خانۂ ایتام کے بانی بھی تھے　کتنا نیکوکار تھے آقا حسن
گفتگو نے جس کی دولت بانٹ دی　ایسے گوہربار تھے آقا حسن
ملت مردہ کو بخشی زندگی　موت سے بیزار تھے آقا حسن
تھے محرک زندہ تحریکات کے　زندگی آثار تھے آقا حسن
دشمنوں کے بھی معین و خیر خواہ　صاحب کردار تھے آقا حسن
وحدت قول و عمل کا مدرسہ　مرجع احرار تھے آقا حسن
بس ترقی ہی ترقی جس میں ہو　ایسا اک سنسار تھے آقا حسن
شیعوں کی جملہ ترقی کے لیئے　واقعی آدھار تھے آقا حسن
کاروان فکر کے لاریب اک　قافلہ سالار تھے آقا حسن
عہد آیندہ نے ثابت کردیا　واقف اسرار تھے آقا حسن
تھے محب و پیرو آل رسول　حق کے پیروکار تھے آقا حسن
اک بشر اور کارہائے بیشمار　دفتر اسرار تھے آقا حسن
ہے شبیبؔ اک یہ بھی وصف آں جناب　شاہ کے غمخوار تھے آقا حسن

مرد مستقبل شناس

جناب سید قائم مہدی نقوی تذہیبؔ نگروری صاحب

عالم دیں، صاحب فضل و کمال آقا حسن
بے عدیل و بے نظیر و بے مثال آقا حسن

معدن جود و سخا سرچشمۂ لطف و وفا
مخزن فیض و عطا ابر نوال آقا حسن

صاحب تحریک بیداری، پناہ بیکساں
مقتدائے حق نگر قدسی خصال آقا حسن

مرجع اہل تشیع منبع حسن سلوک
پیرو مرسلؐ مطیع ذوالجلال آقا حسن

حافظ شرع پیمبرؐ رہبر شاہ و گدا
ہادیٔ راہ خدا خیرالرجال آقا حسن

قدوۂ ارباب دانش، زبدۂ بزم کمال
وہ ملک سیرت ملیکِ خوشخصال آقا حسن

زائر جملہ مشاہد زائر ہر دو حرم
خوش عقیدہ، خوش عمل خوشتر مآل آقا حسن

کتنے جھگڑوں کو مٹایا پوچھیے تاریخ سے
مصلح اقوام تھے بے قیل و قال آقا حسن

وقف تھے تحریک دینداری کی خاطر بے خطر
زندگی کی آپ کے ہر ماہ و سال آقا حسن

کہتے ہیں حالات ماضی وہ تھا مستقبل شناس
قوم کے کام آئی اب تک جس کی آل، آقا حسن

بانیٔ بیت یتٰمی تھا وہی درِّ یتیم
جس کو کہتا تھا ہر اک نیکو خصال آقا حسن

شیعہ کالج کی بنا دعوے سے کہتی ہے یہی
سہل کر دیتے تھے ہر امر محال آقا حسن

فاقے سے رہنا بہت آسان تھا لیکن کبھی
رد نہیں کرتے تھے سائل کا سوال آقا حسن

تصور مہدی علیہ السلام

مصنفہ

آیۃ اللہ العظمیٰ شہید باقر الصدر طاب ثراہ

قیمت/25-

شائع کردہ موسسۂ نور ہدایت حسینیہ غفرانمآب چوک لکھنؤ-۳

فون نمبر: 0522_2252230 موبائل: 0522_3276180, 0_9415752805

نواب سید محمد ذکی علی خاں صاحب ہاتفؔ کی سفارتی رپورٹ میں ذکر علماء خاندان اجتہاد

اقتباس کردۂ جناب فصاحت حسین صاحب (مبلغ جامعہ امامیہ)

آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے اجلاس ہشتم منعقدہ ۱۸/۱۹/۲۰/اکتوبر ۱۹۱۴ء مطابق ۲۷/۲۸/۲۹/ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ بمقام رفاہ عام کلب لکھنؤ۔ زیر صدارت عمدۃ المفسرین زبدۃ المتکلمین ناشر الشریعۃ حامی الشیعیۃ مولانا المولیٰ ابوتراب آقا السید علی صاحب حائری اللاہوری اعلیٰ اللہ درجاتہ کی روداد مرتبہ مولانا سید علی غضنفر نقوی اجتہادی جنرل سکریٹری شیعہ کانفرنس میں جو سفارتی رپورٹ جناب نواب سید محمد ذکی علی خاں صاحب ہاتفؔ جوائنٹ سکریٹری آل انڈیا شیعہ کانفرنس و سکریٹری انجمن مبشر الایمان رستم نگر لکھنؤ نے پیش فرمائی تھی اس میں علماء و آثار خاندان اجتہاد اور تلامذۂ علماء خاندان اجتہاد کا جو تذکرہ فرمایا ہے وہ نذر قارئین ہے۔

لکھنؤ تہذیب و شائستگی، خلق و مروت، فصاحت و بلاغت، سخاوت و ایمانداری، خوش وضعی و وضعداری کے علاوہ قومی بلکہ مذہبی اعتبار سے تمام ہندوستان میں ایک نہایت درجہ ممتاز، قابل فخر اور دار العلم والعمل ہے۔ جو اپنی ندرت کے اعتبار سے قلب ہندوستان کے مبارک لقب سے مخاطب ہونے کا پورا مستحق ہے۔۔۔۔۔۔۔

فرمانروایان سلطنت اودھ کا ۱۱۳۲ھ سے ۱۲۷۳ھ یعنی ایک سو اکتالیس سال تک دار السلطنت رہا ہے جہاں کے تاجدار از ابتدا تا انتہا سب ہی شیعیان حیدر کرار علیہ السلام سے تھے۔ اسی بنا پر سلطنت اودھ سلطنت ایران کے بعد تمام عالم میں عدیم النظیر سلطنت تھی جس کے بقیہ آثار ہی دیکھ کر کلیجہ پر سانپ لوٹ جاتا ہے۔ پھر ان لوگوں کے دل کا غم والم کون جان سکتا ہے جن خوش نصیبوں نے اس زمانے کی چہل پہل اور عیش باغ میں لاکھوں روپے کی افشاں چاندنی رات میں اڑتے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ گو بدقسمتی سے اپنی آنکھوں سے وہ مناظر ہم نے نہیں دیکھے لیکن بزرگوں سے جو واقعات سنے ہیں وہ کیا کم ہیں اور بقیہ آثار کو اجنبی بھی دیکھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ جب مٹی ہوئی حالت پر ان کا یہ رنگ ہے تو عروج کے زمانہ میں کیا رہا ہوگا۔ الغرض یہ تو ایک دکھے ہوئے دل کی کہانی ہے جس کو اگر برسوں بھی کوئی سنے تو نہ کہنے والا گھبرائے اور نہ سننے والے کا اشتیاق کم ہو۔۔۔ ۱۸۵۷ء میں۔۔۔ سرکار دولتمدار برطانیہ کا قبضہ ہوا جس

کے شاہد بیلی گارد، عالم باغ اور سکندر باغ کی دیواریں ہیں جن پر گولہ باری کے نشان اسی طرح اب تک موجود ہیں جس سے ان کی دلی حالت ظاہر ہو رہی ہے۔۔۔۔۔۔

شیعوں کے لیئے تمام ہندوستان، تمام ایشیا بلکہ تمام عالم میں عراق و ایران وعرب سے دوسرے نمبر پر ہے جس کے کئی سبب ہیں مثل اس کے کہ جس طرح حضرات معصومین علیہم السلام کے روضہ ہائے مقدسہ ان مقامات پر واقع ہیں اسی طرح کوئی معصوم ایسا نہیں جس کے روضہ کی شبیہ یہاں موجود نہ ہو اور بعض تو دو دو اور تین تین ہیں فرق صرف اصل ونقل کا ہے لیکن یہ نقلیں بھی اس درجہ مقبول بارگاہ ایزدی ہیں جس کی حد نہیں۔۔۔۔۔

اگر ان مقامات مقدسہ میں حضرات علماء دین جن کا مرتبہ مثل انبیاء بنی اسرائیل کے ہے مثل علامہ مجلسی وجناب محقق طوسی وحضرت شیخ مفید وجناب سید علم الہدیٰ و سید رضی و جناب صدوق و جناب شیخ و سرکار میرزا علیہم الرحمۃ والرضوان ایسے بزرگان دین کے تو لکھنؤ بھی اس امر میں خالی نہیں یہاں بھی حضرت غفرانمآب، جناب سلطان العلماء رضوان مآب، جناب سید العلماء علیین مکان، جناب علم الہدیٰ جناب ملک العلماء مغفرت مآب، جناب ممتاز العلماء جنت مآب، جناب زبدۃ العلماء معین المومنین، جناب علامۃ العلماء، شمس العلماء فردوس مآب، تاج العلماء قدسی مآب، عماد العلماء علیین مآب، جناب عمدۃ العلماء صدر الشریعۃ، سید العلماء فردوس مکان، حضرت بحر العلوم وجناب ملاذ العلماء وجناب مفتی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہم فی الفرادیس الجنان ایسے ایسے قابل فخر علمائے اعلام جن کا نہ محض لکھنؤ یا ہندوستان بلکہ تمام اسلامی دنیا میں وہی شہرہ ہے جیسا کہ لکھنؤ میں ـــــ

ان حضرات کے وعظ اور تصنیف وتالیف کے عظیم المقدار خزانہ سے کون ایسا شخص ہے جو مستفیض نہیں ہوا اور قیامت تک نہ ہوگا۔

اگر وہاں علمائے حی میں بفضلہ تعالیٰ جناب سرکار طباطبائی، جناب آقائے شریعت، جناب آقائے صدر ادام اللہ امجادہم ایسے بزرگان دین حقہ تشریف فرما ہیں تو یہاں بھی اعلم العلماء جناب سید سبط حسین، سرکار صدر المحققین ناصر الملۃ والدین، جناب سرکار قدوۃ العلماء بانیٔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس، جناب سرکار نجم العلماء، جناب سرکار باقر العلوم، جناب سرکار مولانا سید محمد ہادی صاحب اور جناب سرکار مولانا سید ظہور حسین صاحب ایسے واجب الاحترام بزرگان دین بحمد اللہ تشریف فرما ہیں۔

اگر اس سرزمین پاک وپاکیزہ پر دعبل وحسان ایسے مداح محمد وآل محمد علیہم السلام گذرے ہیں تو یہاں بھی انیسؔ و دبیرؔ ایسے مداح خدا نے بھیج دیئے۔

سلسلۂ مواعظ ہر جمعہ کو مسجد آصفی میں اور مسجد کوفہ میں جاری ہے۔ مسجد آصفی میں امام الجمعہ سرکار شریعتمدار قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ مدظلہ العالی اول نماز جمعہ ادا فرماتے ہیں بعدہٗ وعظ فرماتے ہیں اور مسجد کوفہ میں ظہرین اور بعد اس کے وعظ۔ ماہ

مبارک رمضان میں تو مواعظ کا سلسلہ روزانہ تمام شہر میں رہتا ہے۔ تمام علماء دین روزانہ اسی امر خیر میں مشغول و مصروف رہتے ہیں۔

۲۹رذی الحجہ سے ۸رربیع الاول سوائے عزاداری کے مومنین کو کوئی کام نہیں۔ میرا خیال بلکہ یقین ہے کہ صرف لکھنؤ میں اس مدت میں ایک لاکھ سے کم مجالس نہیں ہوتیں۔ اس پورے زمانے میں ۷رمحرم اپنے خصوصیات سے اور ۸رمحرم کی مجالس جس میں حاضری تقسیم ہوتی ہے، اہم ہیں۔

۹رمحرم کی مجالس بالخصوص امامباڑہَ جناب جنت مآب و جناب غفرانمآب اور مولوی میر مہدی حسین صاحب ماہرؔ مرحوم کے امامباڑہ کی عجیب شان ہوتی ہے۔ جناب جنت مآب کے امام باڑہ کی مجلس میں تقریباً آٹھ دس ہزار مومنین کا مجمع ہوتا ہے۔۔۔۔۔

امامباڑہ نواب آصف الدولہ بہادر مرحوم جس میں بانی امامباڑہ کی قبر بھی ہے ایک مشہور و بے نظیر عمارت ہے۔ زمانہ غدر کے بعد ایک مدت تک بجائے قلعہ کے مستعمل ہوتا رہا اور بالآخر گورنمنٹ کی عنایت و مہربانی سے واگذار کر کے امامباڑہ حسین آباد سے متعلق کر دیا گیا اور مسجد جناب مولانا السید محمد ابراہیم صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ کے سپرد کر دی گئی جس میں جناب مرحوم تا حیات خود ہی اور کبھی کبھی آپ ہی کی قائم مقامی میں اور بھی بعض علماء نماز جمعہ و عید پڑھایا کیئے اور بعد انتقال جناب ممدوح کے جناب عماد العلماء مولانا السید مصطفی المدعو بہ جناب میر آغا صاحب علیین مآب اقامت جمعہ و عیدین فرماتے رہے۔ اب قدوۃ العلماء مولانا و مولوی آقا السید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد العصر بانی آل انڈیا شیعہ کانفرنس جانشین جناب عماد العلماء نماز جمعہ و عیدین پڑھاتے ہیں۔

امامباڑہ جناب غفرانمآب حضرت حجۃ الاسلام آیۃ اللہ فی الانام جناب مولانا السید دلدار علی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کا بنا کردہ ہے اور محلہ پاٹانالہ میں واقع ہے نہایت مقدس و متبرک و قدیم عمارت ہے اور تاریخ اس کے بنا کی ''مزار و مدرسہ ہم جائے ماتم سبطین'' ہے ـــــ اس امامباڑہ میں اکثر علماء و مجتہدین کے قبور مقدسہ وقف خاص میں ہیں اور اکثر مومنین اور جگہ نہ ملنے کی وجہ سے بعض علماء بھی وقف عام میں دفن ہیں مگر افسوس کہ یہ مقدس عمارت ایسے حال خراب میں مبتلا ہے کہ خود اپنے حال زار پہ زار زار رو رہی ہے ـــــ امامباڑہ کن کن نائبان حضرت حجۃ عجل اللہ فرجہ الشریف کی خوابگاہ ہے ان میں سے ہر ایک بزرگوار اپنے اپنے زمانہ میں حجۃ الاسلام اور آیۃ اللہ فی الانام، محیی السنۃ اور قامع الضلالۃ والبدعۃ تھا ـــــ شیعہ

کانفرنس کی جانب سے ایک مرتبہ اس کی مرمت ہو چکی ہے لیکن ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ یہ مرمت بہت کچھ اس کی روک تھام کا باعث ہوگئی لیکن افسوس ہے

کہ اس مرمت میں اس کے بہت سے کتبے چونے سے سفید کردیئے گئے ہیں اوراب صرف ایک شجرہ جو قبر اقدس حضرت غفرانمآب کے حجرہ کی دیوار پر موجود ہے۔ حالانکہ وہ بھی جابجا سے مٹ گیا ہے لیکن اگر وہ باقیماندہ بھی مٹ گیا تو ایک بڑی چیز ہاتھ سے جاتی رہے گی-----

جناب بحر العلوم قبلہ مجتہد اعلیٰ اللہ مقامہ کے زمانے تک بانی امامباڑہ کا ہرایک جانشین اس کا متکفل رہا اور مجالس معینہ منعقد ہوتی رہیں لیکن جناب موصوف کے انتقال کے بعد مجالس معینہ اور ان کی کفالت میں مقدمات وتنازعات باہمی کی وجہ سے بہت کچھ تہاول ہوگیا -----

کچھ زمانہ تک قدوۃ العلماء صاحب قبلہ مجتہد ادام اللہ ظلہ العالی زمانۂ محرم میں وہاں مجالس منعقد کرتے رہے لیکن جب جناب سلطان العلماء مولانا السید سبط حسین صاحب قبلہ مجتہد عدالت سب ججی سے کامیاب ہوگئے تو قدوۃ العلماء بھی دست کش ہو گئے اور اب عدالت جوڈیشنل کمشنر بہادر سے اولاد بحر العلوم اعلیٰ اللہ مقامہ کے ڈگری پاجانے کے بعد نہیں کہہ سکتے کیا نتیجہ ہو۔ زمانۂ اربعین میں جو مجالس بعض رؤسا کی طرف سے وہاں منعقد ہوا کرتی تھیں وہ اب بھی منعقد ہوتی ہیں اور ۱۹ر صفر کی مجلس اس امامباڑہ کی بہت مشہور ہے۔ اس مقدس عمارت کے واجب الاحترام بانی نے جو جائداد چھوڑی تھی وہ ابتک باقی ہے اگراس جائداد کے ایک جزو سے بھی اس مقدس عمارت کی خبر گیری ہوتی رہے تو کسی دوسری جانب توجہ کی ضرورت نہیں ہے لیکن افسوس کہ وہ کچھ ایسی کشمکش میں مبتلا ہے اوراس درجہ مایوسی ہوچکی ہے کہ بجز عام افراد قوم سے اپیل کرنے کے اور کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا اور چونکہ یہ امامباڑہ ایسے واجب الاحترام بزرگ کی یادگار ہے جس نے انتہائے ضلالت کے بعد تمام ہندوستان میں آثار ایمان کو پھیلا دیا تھا اور اب تک وہی فیض باقی ہے لہٰذا عام قوم پر اس کی خبر گیری لازم ہے۔

امامباڑہ جناب ممتاز العلماء فخر المدرسین آیۃ اللہ فی الانام السید محمد تقی صاحب جنت مآب خلف اکبر جناب علیین مکان (میرن صاحب) اعلیٰ اللہ مقامہما جو عقب مسجد تحسین علی خاں صاحب چوک بازار میں واقع ہے اور جس میں ایک مختصر سی مسجد بھی ہے، اپنی حالت پر باقی ہے اور جو مجالس اس میں منعقد ہوتی تھیں وہ اگرچہ اس پہلے مجمع کے ساتھ تو نہیں ہوتیں لیکن بحمد اللہ منعقد ہوتی رہتی ہیں اور علاوہ مجالس معینہ کے جو مجالس کہ وقتاً فوقتاً وہاں منعقد ہوتی رہتی ہیں ان میں سے ۲۶/۲۵ر رجب کی مجلسیں نہایت مشہور ہیں جن میں جناب میر انیسؔ صاحب مرحوم ومغفور کے دو لائق و ہونہار پوتے یعنی جناب سید خورشید حسن صاحب عروجؔ خلف جناب میر خورشید علی

صاحب نفیس مغفور اور جناب سید علی نواب صاحب قدیم خلف جناب میر محمد صاحب سلیس اپنے اپنے تصنیف مرثیے پڑھا کرتے ہیں ـــــــ بانیٔ امامباڑہ اور ان کے خلف الصدق جناب سید العلماء آیۃ اللہ فی الانام السید محمد ابراہیم صاحب قبلہ مجتہد اعلیٰ اللہ مقامہما اسی امامباڑہ میں دفن ہیں۔ بانیٔ امامباڑہ نے ایک مسجد اور اس کے قریب ایک حمام خانہ بھی تعمیر کرایا تھا مگر افسوس کہ اب یہ عمارتیں اپنے بانی کے غم میں رو رہی ہیں۔۔۔۔۔

امامباڑہ نیا محل محلہ منصور نگر میں واقع ہے جس میں ایک مسجد بھی ہے اور غالباً دس ہزار روپئے کے نوٹ اور بعض مواضعات کے کچھ حصے بھی اس کے متعلق ہیں اور سید عسکری مرزا صاحب مودب لکھنوی اس کے متولی ہیں جو بہت خوبی سے اس کا انتظام چلا رہے ہیں قبل از ایں جناب عماد العلماء میر آغا صاحب قبلہ وکعبہ اعلیٰ اللہ مقامہ یہاں نماز پڑھایا کرتے تھے اور اب جناب قدوۃ العلماء قبلہ وکعبہ ماہ مبارک رمضان میں علاوہ جمعہ کے ہر روز نماز ظہرین ومغربین اور غیر ماہ مبارک میں ہر روز نماز مغربین پڑھایا کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔

کربلائے مہدی گنج جو مولوی صاحب کی کربلا کے نام سے مشہور تھی اور جس میں اب تک تعزیے دفن ہوتے ہیں، اصل میں جناب رضوان مآب سلطان العلماء علیہ الرحمہ کے صاحبزادہ جناب منصف الدولہ بہادر کی تعمیر کردہ ہے، زمان مابعد میں کسی وجہ خاص سے جس کا تحقیقی طور پر ہم کو کوئی علم نہیں ہے اس کی ملکیت اولاً حاجی سید تجمل حسین صاحب کی طرف اور اس کے بعد نواب عظمت الدولہ بہادر کی طرف منتقل ہوگئی جنہوں نے اس کی عمارت وحفاظت میں بذریعہ حاجی صاحب موصوف کے بہت کچھ بذل ہمت سے کام لیا۔ کربلا کی ظاہری صورت امامباڑہ کی سی تھی۔ جس میں ایک بے مثل منبر اور خاک پاک سے تیار کی گئی نہایت عمدہ ونفیس ضریح ہے جس کا مثل ونظیر لکھنؤ کیا بلکہ بجز حسین آباد ضلع مونگیر کے تمام ہندوستان میں نہ تھا اور نہ ہے۔ لیکن وہ اب عالم شکستگی و خستگی میں ہے۔

مصری کی بغیا محلہ مصاحب گنج میں واقع اور تعزیوں کا قدیم مدفن ہے اور اب کچھ زمانے سے جناب سرکار شریعتمدار حضرت قدوۃ العلماء قبلہ وکعبہ کی نگرانی و انتظام میں ہے۔۔۔

امامباڑہ نواب علی جان خانصاحب، یہ ایک چھوٹا سا وقف ہے اور قدوۃ العلماء کی نگرانی میں ہے۔۔۔

اب شیعیان لکھنؤ کی تمام امیدیں آل انڈیا شیعہ کانفرنس سے وابستہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کانفرنس اگرچہ تمام شیعیان ہندوستان کی کانفرنس ہے لیکن لکھنؤ اس کا صدر مقام ہے اور اس لیئے مومنین لکھنؤ کو اس کی جانب زیادہ تر توجہ کی ضرورت ہے۔

۔۔۔دیکھئے کالج کی تجویز کب عملی جامہ پہنتی ہے۔

خاندان اجتہاد کا اُمّی شاعر

چھنگا صاحب حسینؔ لکھنوی الجائسی

جناب عابد حسین حیدری صاحب صدر شعبۂ اردو
مہاتما گاندھی میموریل پوسٹ گریجویٹ کالج
سنبھل، ضلع مراد آباد

سید صادق علی عرف چھنگا صاحب تخلص حسینؔ کے نام سے میری واقفیت بہت چھٹپنے میں ہوئی تھی۔ والد مرحوم (جناب یعقوب حسین) کی زبانی ان کے سلام کے چند شعر اکثر سوزخوانی کے حوالے سے سنے تھے۔ اس سلام کے چند شعر حاضر کر رہا ہوں:۔

پڑے ہیں عرش کے ٹوٹے ستارے ضوفشاں ہو کر
زمین کربلا چمکے گی اب تو آسماں ہو کر
ہوائے تیغ عباس علیؑ کا تیز دھارا ہے
پھریرے فوج اعدا کے اڑیں گے دھجیاں ہو کر
شب معراج ہے، ہیں عاشق و معشوق میں باتیں
قیامت کر رہا ہے آج پردہ درمیاں ہو کر
کھلا بعد ولادت مرتضیٰؑ کے چشم و ابرو سے
یہی اک روز بت کعبہ میں توڑیں گے جواں ہو کر
گئے باغ جناں میں ظہر تک جن جن کو جانا تھا
کھڑے ہیں شہ اکیلے یوسف بے کارواں ہو کر
حسینؔ نقش قدم پر کاملوں کے پاؤں رکھتے ہو
چلے ہو پیچھے پیچھے تم بھی گرد کارواں ہو کر

ابھی کچھ دنوں پہلے ماہنامہ ''شعاع عمل''، لکھنؤ میں مولانا اسیف جائسیؔ صاحب کا مضمون پڑھنے کا اتفاق ہوا اور وہی مضمون اس تحریر کا محرک بنا۔ ساتھ ہی پاکستان کے مشہور شاعر اور ادیب جناب ساحرؔ لکھنوی کی کتاب ''خانوادۂ اجتہاد کے مرثیہ گو'' دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کتاب میں حسینؔ کے تعلق سے بہت سی معلومات فراہم کی گئی ہیں لیکن کچھ جگہوں پر ساحرؔ سے تسامح ہوا جس کی نشاندہی ضروری معلوم ہوتی ہے۔

ساحرؔ لکھنوی نے مولانا محمد باقر شمسؔ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حسینؔ کا انتقال ۱۹۳۱ء میں ہوا اور جناب مہذبؔ لکھنوی کی نقل کردہ تاریخ انتقال ۱۹۴۰ء کو غلط قرار دیا ہے۔ ساحرؔ لکھنوی نے مولانا سید آغا مہدی کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ حسینؔ کی وفات ۱۳۵۰ھ — ۱۹۳۲ء میں ہوئی۔ ساحرؔ کا اس سلسلے میں خیال ہے کہ ''مولانا آغا مہدی کی تحقیق کردہ تاریخ وفات تقریباً حضرت شمسؔ کے قول کے مطابق ہے۔ جبکہ راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق حسینؔ کا انتقال ۱۸؍جولائی ۱۹۳۲ء کو ہوا

تھا۔ یہ تاریخ رحلت اس لیئے درست ہے کہ حسینؔ کی مجلس چہلم کے رقعہ میں یہی تاریخ درج ہے۔ یہ رقعہ حسینؔ کے چھوٹے بھائی سید مجاور حسین تمناؔ جائسی کا منظوم کردہ ہے جس میں تمام مومنین، رؤسا اور علماء کو مجلس میں شرکت کے لیئے مدعو کیا گیا ہے۔ مجلس چہلم ۱۷/ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ، ۲۱/اگست ۱۹۳۲ء کو حسینیۂ جناب غفرانمآبؒ میں منعقد ہوئی اور جس میں عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب مجتہد نے ذاکری فرمائی۔ ذیل میں وہ منظوم رقعہ پیش کیا جارہا ہے:

امی لقب شاعر کا ماتم

ازسید مجاور حسین تمناؔ برادر خرد چھنگا صاحب حسینؔ

ازل سے ہوا ایسا دشمن فلک
کہ دیکھی نہ میں نے خوشی آج تک
نہ بر آئی دنیا میں حسرت کوئی
نہ پائی کبھی آہ راحت کوئی
ہوئی نازل ایسی بلا پر بلا
کہ موقع نہ آہوں کا بھی مل سکا
جو اک درد دل کا گھٹا بھی کبھی
تو فوراً اذیت بڑھی دوسری
گئے دہر سے اس طرح سب شفیق
نہیں سر پہ باقی کوئی اب شفیق
غرض یہ تو باتیں پرانی تھیں سب
وہ غم قہر ہے جس کی باری ہے اب
تھا اک دم جو باقی بڑے بھائی کا
فلک نے اسے بھی نہ رہنے دیا
یہ روز سیہ اب دکھایا مجھے
کہ ان سے بھی آخر چھڑایا مجھے
لہو دل کا آنکھوں سے سب بہہ گیا
میں ہی میں فقط گھر میں اب رہ گیا
چھری جن کے غم کی یہ دل پر چلی
تھا اک نام تو ان کا صادق علی
اور اس کے سوا دوسرا تھا جو نام
ہیں آگاہ اس سے سبھی خاص و عام
انہیں یعنی چھنگا بھی کہتے تھے سب
حسینؔ تو تخلص تھا امی لقب
تھے ان پڑھ مگر اس قدر باکمال
کہ ملتی نہیں آج ان کی مثال
مجھے ذات پر ان کی تھا ناز بھی
وہ تھے شاعری میں سرافراز بھی
کہے مرثیے اس قدر لاجواب
کہ تاحشر جن کا نہ ہوگا جواب
نہ مغرور تھے اور نہ شہرت پسند
فقط طبع تھی ان کی جدت پسند
تھی خوشگوئی بھی بردباری بھی تھی
سخن سے عیاں پختہ کاری بھی تھی
ہے بیتوں میں ان کی یہ ربط آج تک
کہ موتی کی لڑیوں کا ہوتا ہے شک
نئے لاکھوں ملتے تھے پہلو انہیں
مضامین نو پر تھا قابو انہیں
خدا کی طرف سے یہ تھا مرتبہ
کہ ہر بند ان کا تھا اک معجزہ

غرض شب کو اٹھارہ جولائی کی
جفا ایک گردوں کی یہ بھی ہوئی
کہ تنہا مجھے چھوڑ کر وہ یہاں
گئے خود سوئے قصر باغ جناں

یہ رقعہ مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے کتبخانہ میں الواعظ ۸و۱۶ر اپریل ۱۹۳۴ء کی پشت پر چسپاں ہے۔ اس رقعہ سے ایک طرف تو حسینؔ کی تاریخ وفات ۱۸ر جولائی ۱۹۳۲ء ثابت ہوتی ہے دوسری طرف حسینؔ کی علمی، ادبی اور شاعرانہ عظمت کا اعتراف بھی ہے۔

تمناؔ کے اعتراف کے علاوہ مہرؔ جائسی نے اپنے ایک مرثیہ ع۔ ''مدح خوان خلف سید لولاک ہوں میں'' میں حسینؔ کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں بھرپور خراج عقیدت پیش کیا ہے:

تھے مرے عم سخن سنج تمناؔ و حسینؔ
مرثیے جن کے ہیں صد لائق مدح و تحسیں
عم و خال و اب و جد ذاکر مولا تھے یہیں
میں بھی آپہنچا ہوں اب منزل آخر کے قریں
میرے مابعد جو سوچیں گے کہ وہ کیسا تھا
یہی اشعار بتائیں گے کہ مہرؔ ایسا تھا
تھے حسین اپنے زمانے کے رشید اور وحید
ایسا خلاق مضامیں کہ نہ دید اور نہ شنید
عارف فن خلف میر حسن فرد فرید
خال جاویدؔ سا استاد بعینہ خورشیدؔ
مدح میں راہ رو راہِ صواب آپ ہوئے
مرثیہ گوئی میں خود اپنا جواب آپ ہوئے

مہرؔ کے ان دو بندوں سے مترشح ہوتا ہے کہ حسینؔ کو شاعری ورثہ میں ملی تھی۔ ان بندوں کے ذریعہ مہرؔ نے انہیں رشیدؔ اور وحیدؔ کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد کا نام میر حسن تھا اور ان کے استاد جاویدؔ تھے۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات کا اعتراف بھی ہے کہ آپ نئے نئے مضامین پیش فرماتے اور مرثیہ گوئی میں آپ کا جواب نہیں تھا۔

مہذبؔ لکھنوی نے 'اسرار محن' میں لکھا ہے کہ:۔
''یہ بزرگ خاندان اجتہاد کی ایک فرد تھے مگر بالکل ان پڑھ، نہ لکھنا جانتے تھے اور نہ پڑھنا۔ دوسروں کی مدد سے اپنا مرثیہ لکھواتے تھے اور منبروں پر دوسروں کی مدد سے پڑھتے تھے۔''

حیدر حسین فضاؔ لکھنوی اپنی کتاب ''لکھنؤ کے امی شعراء'' میں اپنے استاد علامہ پرتوؔ لکھنوی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔
''حسینؔ لکھنوی حرف شناس بھی نہ تھے لیکن ذہن و حافظہ بلا کا پایا تھا۔ حسن فکر کی نسبت سے حسین، اس پر جناب جاویدؔ لکھنوی کی اصلاح و تربیت نے حسن کلام بھی پیدا کر کے مکمل حسین بنا دیا تھا۔''

شاعری کے سلسلے میں ساحرؔ لکھنوی نے اپنی تصنیف 'خانوادۂ اجتہاد کے مرثیہ گو' میں مولانا محمد باقر شمسؔ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''وہ ایسے باکمال شاعر تھے کہ یہ کہنا مشکل ہے کہ ان سے بڑا بھی کوئی شاعر تھا۔'' ساحرؔ نے دولہا صاحب عروجؔ کا یہ قول بھی تحریر کیا ہے کہ ''آپ فخر

ہندوستان ہیں''، لیکن ساحرؔ حسینؔ کی شاعری کے سلسلے میں خاموش ہیں کہ انہوں نے شاعری کی ابتدا کب کی تھی۔ مولانا اسیفؔ جائسی نے اپنے مضمون میں ان کی شاعری کی ابتدا ۱۳۰۸ھ بتائی ہے۔ موصوف کے مطابق حسینؔ نے سب سے پہلے ایک نوحہ کہا تھا لیکن ساحرؔ اور اسیفؔ (دونوں) اس سلسلے میں خاموش ہیں کہ وہ کون سا نوحہ یا شعر تھا جس سے حسینؔ نے اپنی شاعری کی ابتدا کی تھی۔

فدا علی خنجرؔ لکھنوی نے اپنے مضمون ''دربار حسینؑ کا امی شاعر'' مطبوعہ الواعظ ۸ و ۱٦ / اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۲۷۔۲۸ میں لکھا ہے کہ ''۱۳۰۸ھ میں انہیں شاعری کا شوق پیدا ہوا تھا۔ چونکہ اکثر مجتہدین کی صحبت میں حاضر باشی کا شرف حاصل رہا تھا اس سے مزاج پر مذہبی رنگ غالب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غزل کے بدلے نوحہ سے شاعری کی ابتدا کی۔''

فدا علی خنجرؔ کے مطابق پہلے پہل جو شعر کہا وہ درج ذیل ہے:

ذبح کے ہنگام ایسی پیاس تھی شبیرؑ کو
چلتے چلتے حلق پر بے آب خنجر ہو گیا

خاندان میں سید بندہ کاظم جاویدؔ موجود ہی تھے ان کی سرپرستی میں مشق سخن جاری ہوئی۔ کچھ استاد کی شفقت، کچھ فطری ذوق کی بدولت بہت جلد ابتدائی مراحل طے ہو گئے۔ ساحرؔ لکھنوی نے سید علی احمد دانشؔ کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے کچھ مرثیے علی محمد عارفؔ کو بھی دکھائے تھے جبکہ مولانا اسیفؔ جائسی نے اپنے مضمون ''اردو کا امی مرثیہ گو'' میں تحریر کیا ہے کہ ''حسینؔ مرحوم نہایت خوش گو شاعر تھے۔ مولوی بندہ کاظم صاحب جاویدؔ ان کے بہنوئی تھے اور وہ انہیں سے اصلاح لیتے تھے''

یوں تو شہر اور شہر کے باہر اکثر مجلسوں میں اپنا کلام پڑھتے تھے لیکن وہ مجلس خاص طور سے قابل ذکر ہے جو ہر سال ۱۹/ رجب کو میر باقر سوداگر کے امامباڑہ واقع لکھنؤ میں منعقد ہوتی تھی۔ اس مجلس میں عمائد کے علاوہ شعرا کو بھی شرکت کی دعوت دی جاتی تھی اور وہ بڑے مجمع کے سامنے اپنا تازہ کلام پڑھکر داد حاصل کرتے تھے۔ راقم الحروف سے ایسی ہی ایک مجلس کا ذکر سلامت رضوی مرحوم نے کیا تھا۔ ان کے مطابق وہ خود اس مجلس میں موجود تھے حسینؔ منبر پر تشریف لے گئے، مرثیہ ہاتھ میں، ایک شخص منبر کے قریب کھڑا تھا اور اس نے مرثیے کا مطلع کان میں چپکے سے بتایا اور حسینؔ نے پورا مرثیہ جم کر پڑھا۔

مہذبؔ لکھنوی نے ان کی مرثیہ نگاری کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

'' جو کچھ کہا ایسا کہا کہ بڑے بڑے خوش گویان کے دانت کھٹے کر دیئے۔''

حسینؔ نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی غزل، مخمس، مثنوی، قطعہ، رباعی، سلام، مرثیہ، نوحہ غرض ان تمام اصناف میں ان کے کلام کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود تھا لیکن ان کے کلام کا بیشتر حصہ دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکا۔ فدا علی خنجرؔ کی اطلاع کے مطابق ایک مناجات ''مقبول جہاں'' اور دو تین مرثیے طبع ہو چکے تھے، بعد میں

مہذب لکھنوی نے بھی کئی مرثیے شائع کیئے۔

حسینؔ اپنے اشعار میں سیدھی سادی زبان استعمال کرتے تھے۔ ہر وقت طبیعت موزوں رہتی تھی اور ذرا سی فکر میں آمد سخن کا سلسلہ جاری ہو جاتا تھا۔ کئی موقعوں پر بہ یک وقت پوری غزل یا نوحہ وسلام تصنیف کر ڈالا۔ ایک دفعہ ان کے امی ہونے کے سبب کچھ لوگوں نے ان کے کلام کو استاد کا عطیہ سمجھا۔ کسی طرح انہیں بھی علم ہو گیا۔ چنانچہ ایک مجلس میں مشتبہ حضرات کو متوجہ کرتے ہوئے جواب دیا:۔

یہ حال ہو گر سب پہ عیاں بہتر ہے
حق گوئی کرے جو وہ زباں بہتر ہے
جو حکم ہو مجلس میں ابھی نظم کروں
اس شک سے حسینؔ کا امتحاں بہتر ہے

ساحر لکھنوی اپنی تصنیف ''خانوادۂ اجتہاد کے مرثیہ گو'' صفحہ ۴۹۲ پر ''رباعیات'' کی ذیلی سرخی کے تحت لکھتے ہیں:۔

''سلام کی طرح چھنگا صاحب نے رباعیات بھی بڑی تعداد میں کہی تھی، مگر افسوس کہ ان کی ایک بھی رباعی دستیاب نہیں ہے۔''

ساحر لکھنوی نے حسینؔ پر لکھتے وقت شاید فدا علی خنجر کے مضمون کا مطالعہ نہیں کیا۔ خنجرؔ نے اپنے مضمون میں ''حسینؔ کی رباعیوں کا رنگ'' کے عنوان کے تحت دو رباعیاں پیش کی ہیں۔ رباعیاں درج ذیل ہیں:۔

ذرہ دیکھا فلک کا تارا دیکھا　　خورشید وقمر کا روز جلوہ دیکھا
موتی ہو کہ لعل ہو کہ شمع محفل　　ہر چیز میں میں نے نور تیرا دیکھا

بس کر چکیں عالم کے نظارے آنکھیں
باقی تھیں جوانی کے سہارے آنکھیں
پیری میں یہ خود بھی ہیں چراغ سحری
ہیں صبح کے ڈوبتے ستارے آنکھیں

ساحر لکھنوی نے اپنی کتاب ''خاندان اجتہاد کے مرثیہ گو'' میں 'مرثیہ گوئی' کی ذیلی سرخی کے تحت بہت ہی عمدہ بحث کی ہے لیکن موصوف نے اپنی معلومات کو مہذب لکھنوی یا مولانا محمد باقر شمسؔ تک محدود رکھا ہے۔ الواعظ لکھنؤ ۸ و ۱۶ / اپریل ۱۹۳۴ء میں فدا علی خنجرؔ کا جو مضمون شائع ہوا ہے اس کے آخر میں حسینؔ کے مراثی کے یہ بند درج ذیل سرخیوں کے تحت درج ہیں:۔

۱۔ تلوار کی تعریف

جوہر تھے اس میں ہار تھا یا اک گندھا ہوا
تھی آب یا تھا آگ میں دریا چھپا ہوا
قبضہ تھا یا تھا چاند سے تارا ملا ہوا
یا نہر تھی کہ جس کا تھا پانی چڑھا ہوا
ملتی تھی جب وہ دست شہ دیں پناہ سے
چالیس ہاتھ بڑھتی تھی حکم اللہ سے

۲۔ شب معراج میں براق کا تذکرہ

ضوفگن ہو گیا محبوب سے جب زین براق
اور ہی ہو گئے اس وقت سے آئین براق
رحمت حق ہوئی نازل پئے تحسین براق
دوں جو تشبیہ پری سے تو ہو توہین براق
خصلتیں حوروں کی سی، حوروں کے سے ناز اسکے
پر جبریل ہیں گویا پر پرواز اس کے

بقیہ صفحہ ۱۲۲ / پر

کتب مفیدۂ سرکار سید العلماء رحمۃ اللہ علیہ

حیدر علی (مبلغ جامعہ امامیہ و نائب مدیر ماہنامہ 'شعاع عمل' لکھنؤ)

خاندان اجتہاد کے رکن رکین، سید المفسرین والمورخین، صدر المحققین والمتکلمین آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء بحر العلوم آقا سید علی نقی النقوی نوراللہ مرقدہٗ کی ذات عالی صفات محتاج تعارف نہیں ہے۔ سرکار شریعتمدار بین الاقوامی شخصیت اور عالمگیر شہرت کے مالک تھے اور آج بھی ہیں اور انشاء اللہ اپنی مفید اور زندہ کتابوں کی وجہ سے رہیں گے بھی۔ آپ کے علم وکمال کے اپنے اور غیر سب ہی معترف ہیں۔ علماء اعلام عراق وایران نے آپ کی جلالت علمی کا لوہا مانا اور اپنی کتابوں میں تذکرہ فرمایا۔

آپ نے عربی، فارسی اور اردو میں تقریباً تین سو چھوٹی اور بڑی کتابیں مختلف موضوعات پر تصنیف فرمائی ہیں۔ قبلہ وکعبہ طاب ثراہ کی جو کتابیں مولانا اسیفؔ جائسی صاحب کے کتبخانہ میں موجود ہیں یا جن کے نام کتابوں میں مل گئے ہیں ان کے اسماء حروف تہجی کے لحاظ سے مندرج ہیں۔

(الف)

۱۔ اصول دین اور قرآن
۲۔ اسلام کا پیغام پس افتادہ اقوام کے نام
۳۔ امامت ائمہ اثنا عشر اور قرآن
۴۔ اسلام دین عمل ہے
۵۔ اسلامی کلچر کیا ہے؟
۶۔ اسلام اور انسانیت
۷۔ اسلام کی حکیمانہ زندگی
۸۔ اسلامی عقائد
۹۔ اصول اور ارکان دین
۱۰۔ الدین القیم
۱۱۔ اسوۂ حسینی
۱۲۔ امام حسینؑ کی شہادت اور دستور اسلامی کی حفاظت
۱۳۔ اسیری اہل حرم
۱۴۔ اثبات پردہ
۱۵۔ اشک ماتم
۱۶۔ اتحاد بین المسلمین (دردمندوں کی آوازیں)
۱۷۔ ابوالائمہ کے تعلیمات
۱۸۔ اگر واقعہ کربلا نہ ہوتا
۱۹۔ استقامت علی الحق کا معیاری نمونہ
۲۰۔ التوائے حج پر شرعی نقطۂ نظر سے بحث
۲۱۔ اسلام کی فکر حاضر میں موزونیت
۲۲۔ امام رضاؑ
۲۳۔ امام منتظرؑ
۲۴۔ امامت
۲۵۔ المتحف العربی (عربی)

۲۶۔الحجج و البینات (عربی)

۲۷۔الراحل العظیم (عربی)

۲۸۔النجعة فی اثبات الرجعة (عربی)

۲۹۔المتحف العربی من الادب العصری (عربی)

۳۰۔آیة اللہ النائینی و موقفه العلمی
بین الطائفه (عربی)

۳۱۔البیت المعمور فی عمارة القبور (عربی)

۳۲۔الکلام علی الفقه الرضوی (عربی)

۳۳۔اقالة العاثر فی اقامة الشعائر (عربی)

۳۴۔الرد القرآنیه علی الکتاب المسیحیه (عربی)

۳۵۔السبطان فی موقفیهما (عربی)

۳۶۔السیف الماضی عن عقائد الاباضی (عربی)

۳۷۔انصار امام حسینؑ

(ب)

۳۸۔بنی امیہ کی عداوت اسلام کی مختصر تاریخ

۳۹۔بین الاقوامی شہید اعظم

(پ)

۴۰۔پانچویں امامؑ

۴۱۔پیغام حسینؑ بعالم انسانیت (فارسی)

(ت)

۴۲۔توحید

۴۳۔تقیہ

۴۴۔تاریخ شیعہ کا مختصر خاکہ

۴۵۔تدوین حدیث

۴۶۔تحقیق اذان

۴۷۔تحفۃ العوام مطابق فتوائے سید العلماءؒ

۴۸۔تراجم قرآن پاک بزبان اردو (سولہ ۱۶ حصے)

۴۹۔تذکرۂ حفاظ شیعہ (دو ۲ جلدیں)

۵۰۔تاجدار کعبہ

۵۱۔تاریخ اسلام میں واقعۂ کربلا کی اہمیت

۵۲۔تاریخ اسلام (چار ۴ جلدوں میں)

۵۳۔تعزیہ داری کی مخالفت کا اصل راز

۵۴۔تحریف قرآن کی حقیقت

۵۵۔تجارت اور اسلام

۵۶۔تفسیر قرآن (سات ۷ جلدوں میں)

۵۷۔تفسیر القرآن (عربی)

۵۸۔تقریرات بحث آیة اللہ نائینی فی الاصول

۵۹۔تلخیص عماد الاسلام (عربی)

(ث)

۶۰۔ثنائے پروردگار (از کلام امیر المومنینؑ)

(ج)

۶۱۔جبر و اختیار

۶۲۔جہاد

۶۳۔جناب رضوان مآبؒ

۶۴۔جناب جنت مآبؒ

۶۵۔جناب غفرانمآبؒ

۶۶۔جہاد مختار

(ح)

۶۷۔حیات قومی

۶۸۔حقیقت صبر

۶۹۔حجج و بینات

۷۰۔حسن مجتبیٰ

۷۱۔حسن عسکریؑ

۷۲۔حج

۷۳۔حج و معاذیر (عربی و اردو)

۷۴۔حاشیۃ الکفایۃ فی مباحث الالفاظ للعلامۃ المیرزا ابو الحسن المشکینی (عربی)

۷۵۔حول کتاب اعیان الشیعہ (عربی)

۷۶۔حواشی علی الرسائل (عربی)

۷۷۔حواشی علی المکاسب (عربی)

۷۸۔حدیث حوض

۷۹۔حیات جاوداں

۸۰۔حسینؑ اور قرآن

۸۱۔حسینؑ اور اسلام

۸۲۔حضرت علیؑ کی شخصیت علم و اعتقاد کی منزل میں

۸۳۔حسینؑ حسینؑ ایک تعارف

۸۴۔حسینؑ اور ان کا پیغام

۸۵۔حسینی اقدام کا پہلا قدم

۸۶۔حسینؑ کا پیغام عالم انسانیت کے نام

(خ)

۸۷۔خدا پرستی اور مادیت کی جنگ

۸۸۔ختم نبوت

۸۹۔خمس

۹۰۔خدا کا ثبوت

۹۱۔خدا اور مذہب

۹۲۔خدا کی معرفت

۹۳۔خلافت و امامت (چھ ۶ حصے)

۹۴۔خطبات کربلا

۹۵۔خلافت یزید کے متعلق آزاد رائیں

(د)

۹۶۔دو اسلام پر ایک نظر

۹۷۔دسویں امامؑ

۹۸۔دنیا آخرت کی کھیتی ہے

۹۹۔دیں پناہ است حسینؑ

(ذ)

۱۰۰۔ذات و صفات

۱۰۱۔ذاکری کی کتاب (چار ۴ حصے)

۱۰۲۔ذوالجناح

(ر)

۱۰۳۔رہنمائے ذاکری (چار حصے)

۱۰۴۔رسول خداؐ

۱۰۵۔رسولؐ کا مرتبۂ فصاحت اور کلام رسولؐ کی خاص انفرادیت

۱۰۶۔رد وہابیت

۱۰۷۔رہبر کامل

۱۰۸۔رہنمایان اسلام

۱۰۹۔روزہ

۱۱۰۔رسالۃ ابی عبداللہ الحسین (عربی)
۱۱۱۔روح الادب شرح الامامیۃ العرب (عربی)
۱۱۲۔رسالۃ فی الاجتہاد و التقلید (عربی)
۱۱۳۔رسالۃ فی نیت الصوم (عربی)

(ز)

۱۱۴۔زندگی کا حکیمانہ تصور
۱۱۵۔زکوٰۃ
۱۱۶۔زندۂ جاوید کا ماتم
۱۱۷۔زندہ سوالات
۱۱۸۔زبدۃ الکلام و تلخیص عماد الاسلام (عربی)

(س)

۱۱۹۔سید سجادؑ
۱۲۰۔سفرنامۂ عراق
۱۲۱۔سیدۂ عالمؑ
۱۲۲۔سر ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ
۱۲۳۔سرورِ شہیداں
۱۲۴۔سفرنامہ حج
۱۲۵۔سجدہ گاہ
۱۲۶۔سامان عزا

(ش)

۱۲۷۔شہادت کبریٰ (تبصرہ)
۱۲۸۔شادی خانہ آبادی
۱۲۹۔شہید انسانیت
۱۳۰۔شیعیت کا تعارف
۱۳۱۔شہید کربلا
۱۳۲۔شجاعت کے مثالی کارنامے
۱۳۳۔شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
۱۳۴۔شہید کربلا کا سال بہ سال ماتم
۱۳۵۔شہادت زار کربلا
۱۳۶۔شب شہادت
۱۳۷۔شہدائے کربلا (تین ۳ حصے)
۱۳۸۔شہادت حسینؑ کے اسباب
۱۳۹۔شہید کربلا کی خاندانی خصوصیات
۱۴۰۔شہید کربلا کی یادگار کا آزاد ہندوستان سے مطالبہ

(ص)

۱۴۱۔صنائع کردگار
۱۴۲۔صلح اور جنگ (عقل و فطرت کی روشنی میں)
۱۴۳۔صحیفۂ سجادیہ کی عظمت
۱۴۴۔صادق آل محمدؑ

(ع)

۱۴۵۔عبادت اور طریق عبادت
۱۴۶۔عید غدیر
۱۴۷۔عظمت حسینؑ
۱۴۸۔عالمی مشکلات کا حل
۱۴۹۔عدل
۱۵۰۔عزائے مظلوم
۱۵۱۔عزائے حسینؑ کی اہمیت
۱۵۲۔عدم تشدد اور اسلام

۱۵۳۔عزائے حسینؑ پر تاریخی تبصرہ

(ف)

۱۵۴۔فلسفۂ گریہ

۱۵۵۔فریاد مسلمانان عالم

۱۵٦۔فتاوائے سید العلماء (یہ ضخیم کتاب سعودی کسٹم پر ضبط ہوگئی)

(ق)

۱۵۷۔قرآن مجید کے انداز گفتگو میں معیار تہذیب وروادا ری

۱۵۸۔قتیل العبرۃ

۱۵۹۔قرآن اور نظام حکومت

۱٦۰۔قرآن کے بین الاقوامی ارشادات

۱٦۱۔قانون وراثت

۱٦۲۔قاتلان حسینؑ کا مذہب

(ک)

۱٦۳۔کتاب شہید اعظم پر تبصرہ

۱٦۴۔کتاب مسئلہ حیات النبیؐ

۱٦۵۔کتاب نبوت

۱٦٦۔کربلا کی یادگار پیاس

۱٦۷۔کربلا کا تاریخی واقعہ مختصر یا طولانی

۱٦۸۔کشف النقاب عن عقائد عبدالوھاب (عربی)

(گ)

۱٦۹۔گیارہویں امامؑ

(ل)

۱۷۰۔لارڈ رسل کے ملحدانہ خیالات کی رد

۱۷۱۔لاتفسدوا فی الارض

۱۷۲۔ لمحات حول السفور والحجاب (عربی)

(م)

۱۷۳۔مذہب شیعہ اور تبلیغ

۱۷۴۔مسلمانوں کی حقیقی اکثریت (واقعہ کربلا کا ایک خاص پہلو)

۱۷۵۔مقتل ابومخنف کا تحقیقی جائزہ

۱۷٦۔مباہلہ

۱۷۷۔مقدمۂ مختصر برائے ترجمہ وحواشی قرآن

۱۷۸۔مقدمۂ تفسیر قرآن

۱۷۹۔محاربۂ کربلا

۱۸۰۔معرکۂ کربلا

۱۸۱۔موسیٰ کاظمؑ

۱۸۲۔معاد

۱۸۳۔مسائل ودلائل

۱۸۴۔مجموعۂ تقاریر (پانچ۵ حصے)

۱۸۵۔مقدمۂ نہج البلاغہ

۱۸٦۔مقالات سید العلماء (دو۲ حصے)

۱۸۷۔مسلم پرسنل لاء نا قابل تبدیل

۱۸۸۔متعہ اور اسلام

۱۸۹۔مذہب کی ضرورت

۱۹۰۔مادیت کا عملی جائزہ

۱۹۱۔مذہب اور عقل

۱۹۲۔مذہب شیعہ ایک نظر میں

۱۹۳۔مذہب باب وبہاء (دو۲ جلدیں)

۱۹۴۔معراج انسانیت
۱۹۵۔مولود کعبہ
۱۹۶۔مقصود کعبہ
۱۹۷۔مطلوب کعبہ
۱۹۸۔مجسمۂ انسانیت
۱۹۹۔مجاہدۂ کربلا
۲۰۰۔مظلوم کربلا
۲۰۱۔مقصد حسینؑ
۲۰۲۔مسلمانوں کی نقلی اکثریت
۲۰۳۔مقدمۃ تفسیر القرآن (عربی)
۲۰۴۔متجمع التبشیر (عربی)
۲۰۵۔مشقت النذیر فی المسئلۃ التصویر (عربی)
۲۰۶۔مسئلۃ فی الخیر والشر (عربی)

(ن)

۲۰۷۔نہج البلاغہ کا استناد
۲۰۸۔نوروز وغدیر
۲۰۹۔نماز
۲۱۰۔نظام ازدواج
۲۱۱۔نظام زندگی (چار ۴ حصے)
۲۱۲۔نظام تمدن اور اسلام
۲۱۳۔نویں امامؑ
۲۱۴۔نفس مطمئنہ
۲۱۵۔نجف ام طف (عربی)
۲۱۶۔نقد الفرائد (عربی)

(و)

۲۱۷۔وجیزۃ الاحکام (عملیہ)
۲۱۸۔وعدۂ جنت
۲۱۹۔واقعہ وفات رسول
۲۲۰۔وجود حجت

(ہ)

۲۲۱۔ہمارے رسوم وقیود
۲۲۲۔ہلاکت وشہادت

(ی)

۲۲۳۔یاد اور یادگار
۲۲۴۔یزید اور جنگ قسطنطنیہ

بقعیہ خاندان اجتہاد کا اُمّی شاعر۔۔۔۔۔

پشت پر بار نبوت لیئے مستانہ چلا
یوں چلا بزم میں جیسے کوئی پیانہ چلا
عشق معبود پیمبر میں یہ مستانہ چلا
نور کو لے کے سوئے نور یہ پروانہ چلا
ہر جگہ بوئے گل وعنبر وعود آنے لگی
پر پرواز سے آواز درود آنے لگی

یہ پتہ اہل زمانہ کے نظاروں سے ملا
بادصرصر کے یہ بہتے ہوئے دھاروں سے ملا
اڑ کے اونچا جو ہوا عرش کے تاروں سے ملا
راستا عرش کا حوروں کے اشاروں سے ملا
جو ستارہ ہے وہ اب ماند ہوا جاتا ہے
مل کے سیاروں میں یہ چاند ہوا جاتا ہے

روداد خونچکاں

بیاد حضرت صفوۃ العلماء رحمت مآب

لسان العصر حضرت ثمرؔ ہلوری مرحوم

موت بن کے ہمسفر یوں زندگی کے ساتھ ہے　　جیسے خطرہ ہر قدم پر آدمی کے ساتھ ہے
وقت کی چادر میں پنہاں غم خوشی کے ساتھ ہے　　کاروانِ علم شمعِ آگہی کے ساتھ ہے

ذہن روشن، ذوق عرفان حقیقت چاہیئے
راز خلقت کے سمجھنے کو بصیرت چاہیئے

رونما ہوتے ہیں کتمِ غیب سے یوں حادثات　　جیسے انجانی سی صورت جیسے انہونی سی بات
جلوہ گاہ عبرت و حیرت ہے وہ ہو دن کہ رات　　رمز اندر رمز اندر رمز ہے یہ کائنات

زندگی دنیا کی اک دھوکا فریب جسم و جاں
موت ہے عین یقیں لاریب بے شک و بے گماں

کلب عابدؔ یادگار سید کلب حسین　　زینت محراب و منبر مومنوں کے دل کا چین
ذاکر سبط نبیؑ شیدائے شاہ مشرقین　　جس نے سمجھا دین کی خدمت کو اپنا فرض عین

زندگی بھر جو رہا آئین اسلامی کے ساتھ
مجلس عالم سے اٹھا تو نکو نامی کے ساتھ

باعمل عالم وہ آقائے شریعت لاجواب　　عابد و زاہد جلیس مسند غفراں مآب
نور چشم علم و دانش صفوۃ العلماء خطاب　　دیکھئے جس زاویئے سے تھا غلام بوتراب

جس کے غم کا یوں تو سارے ملک میں چرچا رہا
جس کا ماتم پانچ دن ہلور میں برپا رہا

پیکر صبر و رضا تھا خدمت اسلام میں　　یہ صفت پہلے ہی سے پنہاں تھی اس کے نام میں
جان تک قربان کردی دین ہی کے کام میں　　صورت آغاز دیکھ آئینۂ انجام میں

مقصد ہستی جو اس کا خدمت اسلام تھا
ذکر شاہ کربلا سے زندگی بھر کام تھا

لکھنؤ سے دور کیا گذری کہوں کیا راہ میں　　جبکہ سرگرم سفر ذاکر تھا کار شاہ میں
جانے کیا تاثیر تھی اے دل غم جانکاہ میں　　ہوگئیں تبدیل خوشیاں سب کی اشک و آہ میں

تھا الہ آباد اپنی جا سراپا انتظار
کیا خبر تھی باغ رضواں کو ہے اس کا انتظار

پرسنل لا کی مہم ہو یا کہ قومی اتحاد　　اس کا پیغام محبت قاتل دیو فساد
بعد مردن کہہ کے یہ کرتے ہیں اس کو لوگ یاد　　اے شہید راہ ایماں کلب عابد زندہ باد

ملک روتا ہے کہ دُرّ بے بہا جاتا رہا
ہے مسلمانوں میں ماتم رہنما جاتا رہا

سیرت اجداد کا آئینہ، جان اجتہاد　　صاحب حسن عمل، روح روان اجتہاد
اے گل توصیف سرو بوستان اجتہاد　　نازش ملت سرور خاندان اجتہاد

اڑ رہی ہے خاک ہر سو تیرے مرجانے کے بعد
نام جانے کا نہیں لیتا ہے غم آنے کے بعد

خوش عمل، خوش لہجہ، خوش اخلاق، حق گو دیندار　　خلق روتی ہے تجھے اے سید عالی وقار
دل ہوئے ہیں سوگوار آنکھیں ہوئی ہیں اشکبار　　ہے لب دوراں پہ بیت رنج افزا بار بار

الفراق اے صاحب ایمان و عرفاں الوداع
الوداع اے ذاکر شام غریباں الوداع

اف فراقِ کلب عابد اہل دل کو کھل گیا　　سچ ہے پورا ہو کے رہتا ہے مقدر کا لکھا
اے ثمرؔ محسوس مجھکو آج کچھ ایسا ہوا　　حور و غلماں کو مخاطب کرکے رضواں نے کہا

پیشوائی کو بڑھو آگے بڑھو باصد ادب
کلب عابد آتے ہیں جنت میں حکم حق سے اب

۱۴۰۷ھ

معین الشریعہ کی ولادت باسعادت پر علماء ومومنین کی دعائیں اوران کا مستجاب ہونا

جناب سید سروش اکبر نقوی صاحب کریلی الٰہ آباد

حسن اتفاق ہے کہ سرکار صفوۃ العلماء کے فرزند ارجمند قائد ملت جعفریہ معین الشریعہ مولانا سید کلب جواد نقوی صاحب اور سرکار سید العلماء کے خلف الصدق علامہ سید علی محمد نقوی دونوں کی تاریخ وسنہ پیدائش ایک ہی ہے یعنی ۴ر جنوری ۱۹۵۱ء مطابق ۲۵ر ربیع الاول ۱۳۷۰ھ

معین الشریعہ نسل عمدۃ العلماء میں واحد ایسے فرزند ہیں جن کی ولادت پر علماء ومومنین نے زبان وقلم سے عمدۃ العلماء کی خدمت میں مبارکباد اور رسائل وجرائد کے ذریعہ ہدیۂ تہنیت پیش کیا۔ نمونے کی صورت میں ایک تہنیت نامہ منثور اور ایک تہنیت نامہ منظوم ملاحظہ ہو:

حضرت علامۃ العصر عمدۃ العلماء
کی خدمت میں مبارکباد

کل ۴ر جنوری کو ماشاء اللہ حضرت آقائے شریعت صفوۃ العلماء مولانا السید کلب عابد صاحب قبلہ کو پروردگار عالم نے فرزند نرینہ عطا کیا۔ یہ مولود حضرت علامۃ العصر سرکار عمدۃ العلماء ذاکر شام غریباں مولانا سید کلب حسین نقوی مجتہد کا پوتا اور حضرت آقائے قوم سرکار شریعتمدار قدوۃ العلماء مولانا السید آقا حسن نقوی مجتہد قبلہ وکعبہ طاب ثراہ کا پروتا اور حضرت باقر العلوم سرکار شریعتمدار مولانا سید محمد باقر صاحب مجتہد قبلہ وکعبہ کا نواسہ اور قدسی صفات ناصر العلوم مولانا السید محمد صاحب قبلہ وکعبہ مجتہد پرنسپل سلطان المدارس لکھنؤ کا بھانجا ہے۔ خداوند عالم اس مولود کو سب کے لیئے مبارک ومسعود فرمائے۔ (آمین)

دعائیہ نظم مع تاریخ ولادت
فرزند ارجمند حضرت آقائے شریعت مدظلہٗ الشریف
ازقلم حقیقت رقم محترمہ ومکرمہ ناصرہؔ
اہلیۂ حضرت ناصریؔ مرحوم فتحپوری

مثال جس کی نہ ہو وہ ملے اسے عظمت
ہو مثل جد کے زمانے میں صاحب شہرت
صمیم قلب سے فرزند کلب عابد کا
امور شرع میں مخلوق کی کرے خدمت
مٹائے کفر کی تاریکیاں زمانے سے
برائے امت احمدؐ ہو مشعل عزت
ملا جو مرتبہ سلمان اور ابوذر کو
وہی وقار ہو اس کا بھی اور وہی رفعت
رہیں خدا کی عنایات اس گھرانے پر
نصیب ماں کو مسرت ہو باپ کو راحت

لوائے حمد کے سائے میں یہ بھی ہو ہمراہ
ظہور جب کریں دنیا میں حضرت حجت
اثر نہ بادِ خزاں کا ہو اس پہ عالم میں
ہرا بھرا رہے یہ نخل گلشن عشرت

۱۳۷۰ھ

خداند عالم نے محترمہ ناصرہ فتحپوری کی دعا پوری فرمائی۔ آج مولانا کی شہرت وعظمت دونوں کی کوئی مثال نہیں ہے۔ اس وقت موصوف بین الاقوامی شخصیت اور عالمگیر شہرت کے مالک ہیں اور جہاں تک امور شرع میں مخلوق کی خدمت کی بات ہے تو مبلغ اعظم مجدد اکبر حضرت غفرانمآبؒ کا جانشین ہونا اور حضرت موصوف کے حسینیہ کے عشرۂ اولیٰ کی ذاکری پھر معین الشریعہ، زعیم ملت، قائد ملت جعفریہ اور آفتاب شریعت جیسے القاب اس کے گواہ ہیں کہ صمیم قلب سے امور شرع کی خدمت کا حق ادا کیا جارہا ہے۔ پھر نظم ناصرہ کی آخری دعا کہ جب یوسف زہراؑ، منتقم خون شہداءؑ، امام عصر صاحب الزمان حضرت محمد مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) ظہور فرمائیں تو مولانا زیر لوائے حمد ہوں۔ یہ دعا اسوقت بندہ بھی کررہا ہے لیکن اس اضافہ کے ساتھ کہ ہم سب ایسے بن جائیں کہ امامؑ کے اعوان وانصار میں شمار ہوں۔

(آمین)

کچھ ایام گذر جانے کے بعد ہفتہ وار سحاب لکھنؤ کے ذریعہ عمدۃ العلماء نے علماء وشعراء ومومنین کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش فرمایا۔

نورِ چشم مولوی سید کلب عابد صاحب سلمہٗ کی ولادت کے سلسلے میں جن اعزاء کرام وعلماء ومومنین عظام نے مجھ کو مبارکباد کے خطوط تحریر فرمائے ہیں ان کے اس اظہار محبت کا بیحد شکر گزار ہوں اور تمام مومنین کے واسطے دست بدعا ہوں کہ خداوند عالم تمام حضرات کو برکت عنایت کرے اور ان کے تمام حوائج کو پورا کرے۔

سید کلب حسین بقلمہ

❁❁❁

ضروری اعلان

مجلہ مؤسسہ نور ہدایت الموسوم بہ ماہنامہ **''شعاع عمل''**

زیر سرپرستی

قائد ملت حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید **کلب جواد** نقوی صاحب قبلہ

محرم الحرام ۱۴۲۵ھ سے جاری ہے۔

سالانہ قیمت/200۔

شائقین کرام ادارہ سے جلد ہی رابطہ قائم کریں

نور ہدایت فاؤنڈیشن مولانا کلب حسین روڈ چوک لکھنؤ ۳

فون نمبر: 0522۔2252230 موبائل:09335276180

اتحاد بین المسلمین کے علم بردار آقائے شریعت مولانا سید کلب عابد صاحب رحمت مآب

کی زندگی ایک نظر میں

۱۔ولادت ۱۹؍جنوری ۱۹۲۳ء مطابق یکم جمادی الثانی ۱۳۴۱ھ

۲۔سلطان المدارس کی جماعت اولیٰ میں داخلہ ۱۱؍اپریل ۱۹۳۰ء

۳۔عقد بہ دختر حضرت باقر العلوم مولانا سید باقر صاحبؒ ۱۹۴۳ء

۴۔صدرالافاضل از سلطان المدارس لکھنؤ فرسٹ ڈویژن ۱۹۴۵ء

۵۔ہندوستان میں خاص خاص اساتذہ

مولانا محمد عادل صاحب قبلہ، مولانا علی حسین صاحب قبلہ مولانا عارف حسین صاحب قبلہ، مولانا الطاف حیدر صاحب قبلہ مولانا صغیر حسین صاحب قبلہ، مولانا ابن حسن صاحب قبلہ نونہروی مولانا عبدالحسین صاحب قبلہ، مولانا سید محمد صاحب قبلہ مولانا سید حسن صاحب قبلہ نزیل کربلائے معلی اور مولانا سید حسین صاحب قبلہ

۶۔روانگی عراق ۱۹۴۶ء

۷۔کربلا میں خاص استاد: آیۃ اللہ سید مہدی شیرازی

۸۔نجف میں خاص استاد: آیۃ اللہ محسن الحکیم، آیۃ اللہ محمد شاہرودیؒ

۹۔واپسی از عراق ۱۹۴۹ء

۱۰۔مدرسہ سلطان المدارس میں مدرس: دسمبر ۱۹۵۰ء تا ۳۰؍جون ۱۹۷۲ء

۱۱۔مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں استاد: نومبر ۱۹۷۴ء تا جنوری ۱۹۸۳ء

۱۲۔چند تلامذہ: مولانا آغا جعفر صاحب قبلہ (پاکستان) مولانا رضی جعفر صاحب قبلہ (پاکستان) مولانا مرزا محمد عالم صاحب قبلہ مرحوم، مولانا مرزا محمد اطہر صاحب قبلہ، ڈاکٹر مولانا عمران رضا صاحب قبلہ، مولانا علی ابن الحسین صاحب باقری، مولانا شفیق حسین صاحب قبلہ، مولانا نبی حسن صاحب قبلہ مولانا راشد حسین صاحب قبلہ، مولانا سید حسن صاحب قبلہ نقوی، مولانا افتخار حسین صاحب قبلہ کشمیری، مولانا محمد تقی صاحب قبلہ (آل باقر العلومؒ) مولانا مسرور حسین صاحب قبلہ، مولانا ابراہیم علی صاحب قبلہ حیدرآبادی، مولانا غلام رسول صاحب قبلہ فاروقی، مولانا حکیم ناصر عباس صاحب قبلہ، مولانا علی قاسم صاحب قبلہ، مولانا ابن حسن صاحب قبلہ، مولانا زاہد احمد صاحب قبلہ، مولانا تفضل نقوی صاحب قبلہ وغیرہ۔

۱۳۔تصانیف: (۱) عماد التحقیق مطبوعہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی

(۲) ایک درس مکتب اسلام سے (مطبوعہ اردو، ہندی)

(۳) مجالس عظیم (مجموعۂ تقاریر)

۱۴۔منصب: الف۔امامت جمعہ لکھنؤ ۱۹۴۹ء تا ۱۹۶۳ء غیر مستقل نیابت

سرکار عمدۃ العلماء ۱۹۶۳ء تا دسمبر ۱۹۸۶ء مستقل

ب۔نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

ج۔ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

د۔ممبر سینٹرل حج کمیٹی

ہ۔ممبر مسلم یونیورسٹی کورٹ

و۔ممبر اردو اکادمی

ز۔صدر آل انڈیا شیعہ کانفرنس

۱۵۔حسینیۂ غفرانمآبؒ میں پہلا عشرۂ محرم ۱۳۸۴ھ، ۱۹۶۴ء

۱۶۔آخری مجلس قصبہ نصیر آباد (جائس) ضلع رائے بریلی ۱۳؍دسمبر ۱۹۸۶ء

۱۷۔تاریخ وفات: ۱۳؍دسمبر ۱۹۸۶ء شب ۸ بجکر ۳۰ منٹ (تقریباً)

۱۸۔جائے وفات: نزدیک پھاپھامئو ضلع الٰہ آباد

اتحاد بین المسلمین کے نقیب کا آخری خطبہ

صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد مرحوم نے ۵ ردسمبر ۱۹۸٦ء کو امام باڑہ آصفی کی شاہی مسجد میں جو آخری خطبہ دیا وہ شیعوں اور تمام مسلمانوں کے لیئے ایک ایسا پیغام ہے جس پر اگر وہ آج بھی لبیک نہیں کہیں گے تو نہیں کہا جاسکتا کہ ان کے لیئے اس ملک میں اور کتنے برے دن آئیں گے۔ ہم یہاں مولانا کے اس آخری خطبہ کا ایک اقتباس پیش کر رہے ہیں۔

''میں انسان ہوں، مسلمان بھی اور شیعہ بھی ہوں۔ مسلمان ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسانیت چھوڑنا پڑے اور نہ شیعہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ دائرۂ اسلام سے باہر قدم رکھنا پڑے۔ اگر کوئی انسانی مسئلہ ہوگا تو اسے بطور انسان حل کرنا پڑے گا جیسے کوئی شخص اگر پیاسا مر رہا ہو تو بغیر یہ دیکھے کہ وہ ہندو ہے کہ مسلمان، سکھ ہے کہ عیسائی، اس کے حلق میں پانی ٹپکانا ہی پڑے گا۔
اسی طرح اسلام کو اگر کوئی خطرہ لاحق ہوگا تو اس سے بطور مسلمان نپٹنا پڑے گا۔ اور اگر کوئی شیعی مسئلہ ہوگا تو میں اس کے حل میں بطور شیعہ منہمک رہوں گا۔''

متحد ہونے کا ہر شیعہ و سنی کو پیام ——— مقصد زیست تھا یہ بہر شکوہ اسلام
جو ہزاروں سے نہ ہو پائیں وہ تنہا کیئے کام ——— ذات میں اپنی جماعت تھے، جماعت میں امام

سرخرو جس سے جماعت ہوئی کام ایسے تھے
قوم کو مر کے جلایا ہے امام ایسے تھے

قائد ایسے کہ قدم راہ قیادت میں اٹل ——— عابد ایسے کہ عبادت تھا ہر اک انکا عمل
بے نیاز اتنے کہ خدمات کا چاہا نہ بدل ——— سیر چشم اتنے کہ سونے کو بھی سمجھا پیتل

ہوس زر نے جھکایا نہ کبھی سر ان کا
بیچ دریا میں بھی دامن نہ ہوا تر ان کا

آقائے شریعت مولانا سید کلب عابد طاب ثراہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کے اٹھارویں دیسہ کی عظیم مجالس میں شرکت کے لیئے تشریف لانے والے مومنین کا قلبی خیر مقدم کرتے ہیں۔

نواب وارث علی خاں، عمران علی خاں، جمیل شمسی، شرف زیدی، وسیم رضوی، کیفی مرزا، رضوان ببلو، ندیم آغا، حسن میاں، عتیق حسین، اسلام حسین، نایاب حسین، دلشاد حسین، نصرت حسین، حاجی کاظم حسین، حسن میاں، دلاور حسین، آصف حسین، اشتیاق حسین، غلام عباس، ظہیر حیدر، شاہ عباس صفوی، جان عالم، افضل مہدی۔

ممبران

آقائے شریعت میموریل سوسائٹی، لکھنؤ